الرسالہ

زیر سرپرستی
مولانا وحید الدین خان
صدر اسلامی مرکز

ISSN 0970-180X

اس دنیا میں سکون صرف اس شخص کے لیے ہے
جو بے سکونی کی حالت پر اپنے آپ کو راضی کرلے

شمارہ ۱۶۳
جون ۱۹۹۰

تذکیر القرآن

جلد اوّل : سورۃ فاتحہ۔ سورۃ بنی اسرائیل
جلد دوم : سورۃ الکہف ۔ سورۃ الناس

قرآن کی بے شمار تفسیریں ہر زبان میں لکھی گئی ہیں۔ مگر تذکیر القرآن اپنی نوعیت کی پہلی تفسیر ہے۔ تذکیر القرآن میں قرآن کے اساسی مضمون اور اس کے بنیادی مقصد کو مرکز توجہ بنایا گیا ہے۔ جزئی مسائل اور معلوماتی تفصیلات کو چھوڑتے ہوئے اس میں قرآن کے اصل پیغام کو کھولا گیا ہے اور عصری اسلوب میں اس کے دعوتی اور تذکیری پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے۔ تذکیر القرآن عوام و خواص دونوں کے لیے یکساں طور پر مفید ہے۔ وہ طالبینِ قرآن کے لیے فہم قرآن کی کنجی ہے۔

مکتبہ الرسالہ، نئی دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو، انگریزی میں شائع ہونے والا

الرسالہ

اسلامی مرکز کا ترجمان

شمارہ ۱۶۳ جون ۱۹۹۰

فہرست

ماہنامہ الرسالہ، سی ۲۹ نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳ فون: 697333, 611128

ایک واقعہ

۶ ستمبر ۱۹۸۹ کو میں انبیٹھ (سہارن پور) میں تھا۔ وہاں ایک واقعہ معلوم ہوا جس میں بہت بڑا سبق ہے۔ اس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر شاہد صابری (پیدائش ۱۹۵۱) نے بستی کے باہر ۱۹۸۵ میں ایک زمین خریدی۔ اس کا رقبہ تقریباً پانچ ایکڑ ہے۔ انھوں نے زمین حاصل کرنے کے بعد اس کے چاروں طرف مینڈ بنائی۔ اس زمین سے متصل یہاں کا مرگھٹ ہے۔ مینڈ بنانے کے بعد کچھ ہندوؤں نے اعتراض کیا کہ آپ نے مینڈ غلط بنائی۔ اس میں مرگھٹ کی زمین کا ایک حصہ شامل ہو گیا ہے۔ یہ اعتراض کرنے والے وہ افراد تھے جو مقامی طور پر متعصب اور فرقہ پرست کی حیثیت سے مشہور ہیں۔

ڈاکٹر شاہد صابری نے کہا کہ آپ لوگ پیمائش کرالیں اور جتنی زمین پیمائش میں نکلے۔ اس کا دگنا لے کر مرگھٹ میں شامل کر لیجئے۔ یہ کام آپ مجھ سے پوچھے بغیر خود سے کر لیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

اگست ۱۹۸۷ کا واقعہ ہے۔ ڈاکٹر شاہد صابری راستہ سے گزر رہے تھے کہ انھوں نے دیکھا کہ بہت سے ہندو آگے کی طرف جا رہے ہیں۔ ملاقات کے بعد انھوں نے بتایا کہ آج ہم آپ کی زمین کو ناپنے جا رہے ہیں۔ ڈاکٹر شاہد صاحب نے کہا کہ آپ لوگ ضرور جائیں اور ناپنے کے بعد مرگھٹ کی جو زمین ہماری طرف نکلے اس کو بلا بحث اس میں شامل کر لیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ آپ بھی چلیے تاکہ آپ کے سامنے پیمائش کی جا سکے۔

ڈاکٹر شاہد صابری بھی کچھ دیر بعد اپنی زمین پر پہونچ گئے۔ انھوں نے کوئی مداخلت نہیں کی۔ بلکہ ہندو صاحبان کو آزادانہ طور پر ناپنے کا موقع دیا۔ انھوں نے بار بار ناپا۔ یہاں تک کہ معلوم ہوا کہ ان کا شبہ غلط تھا۔ ڈاکٹر شاہد صاحب نے مینڈ بالکل صحیح بنائی ہے۔ بلکہ ایک طرف خود اپنی کچھ زمین مرگھٹ کی طرف چھوڑ دی ہے۔

اس واقعہ کا اتنا اثر ہوا کہ اس کے بعد مقامی ہندوؤں نے ڈاکٹر شاہد صابری سے کہا کہ آپ انبیٹھ کی چیرمینی کے لیے کھڑے ہو جائیں۔ یہاں کے ہندو اور مسلمان دونوں آپ کا ساتھ دیں گے اور آپ بلا مقابلہ کامیاب ہو جائیں گے۔ مگر ڈاکٹر صابری نے شکریہ کے ساتھ انکار کر دیا۔

ایک اور امکان

آج کے جاپان کے بارہ میں ایک کتاب چھپی ہے۔ اس کا نام ہے " جاپان جو یہ کہہ سکتا ہے کہ نہیں"۔ اس کتاب کے لکھنے والے دو ممتاز جاپانی ہیں۔ ایک سنتارو اشی ہارا جو دو بار جاپان میں وزیر رہ چکے ہیں۔ دوسرے اکیو موریتا جو عالمی شہرت یافتہ سونی کارپوریشن کے چیرمین ہیں :

The Japan That Can Say No,
by Shintaro Ishihara, and Akio Morita

اس کتاب میں بہت سی نہایت سبق آموز باتیں ہیں۔ ایک موقع پر مصنفین لکھتے ہیں کہ امریکی خواہ اپنی فوجی طاقت کتنا ہی زیادہ بڑھائیں، وہ اب ایک ایسی حد پر پہونچ چکے ہیں کہ وہ ہمارے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ اب وہ خود ہمارے ضرورت مند ہیں۔ جاپان اگر امریکہ سے یہ کہہ دے کہ ہم تمہارے ہاتھ اپنے چپس (chips) نہیں بیچیں گے تو امریکہ کی کمپیوٹر انڈسٹری متاثر ہو جائے گی۔ حتی کہ امریکہ اپنا جدید بمبار (stealth bomber) بھی جاپانی ٹکنولوجی کے بغیر نہیں بنا سکتا۔ اس قسم کی تفصیلات دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ اگر ایک شخص جاپان کے سیمی کنڈکٹر کو استعمال نہ کرے تو اس کے لیے درست کارکردگی کی کوئی ضمانت نہیں :

If one doesn't use Japanese semi-conductors,
one cannot guarantee precision.

یہی اس دنیا میں زندگی کا طریقہ ہے۔ اس دنیا میں زندگی کا مقام اس کو ملتا ہے جو اپنے آپ کو دوسروں کے لیے ناگزیر بنا دے۔ جو اپنے نفع بخش ہونے کو اس طرح ثابت کر دے کہ دوسرے لوگ اس کو اپنی ضرورت سمجھنے لگیں۔ کوئی شخص خود اپنا دشمن نہیں ہو سکتا۔ اس لیے جو شخص یا گروہ اپنے آپ کو دوسروں کی ضرورت بنا دے، اس کو نظر انداز کرنا بھی کسی کے لیے ممکن نہیں۔

جاپان نے اپنی اہمیت مادی اور اقتصادی اعتبار سے ثابت کی ہے۔ یہی اہمیت زیادہ بڑے پیمانہ پر اسلام کے حق میں موجود ہے۔ جس طرح جاپان کی نفع بخشی کی بنا پر امریکہ (یا دوسرے ممالک) اس کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اسی طرح اسلام میں دینی اور انسانی اعتبار سے جو غیر معمولی نفع بخشی موجود ہے، اگر دنیا کے لوگ

اس کو جان لیں تو ان کے لیے اسلام کو نظر انداز کرنا ممکن نہ رہے۔

یہ دوسری صورت اسلام کے حق میں اجارہ داری کی حد تک موجود ہے۔ انسان کا مطلوب دین اور انسانیت کی حقیقی فلاح اسلام کے سوا کسی اور مذہبی یا غیر مذہبی نظام میں موجود نہیں۔

اسلام آج اپنی خاموش زبان میں دنیا والوں سے کہہ رہا ہے کہ ـــــــ اگر تم اللہ کی یاد کو اپنے سینہ میں جگہ نہ دو تو تم کو قلب و دماغ کا سکون نہیں مل سکتا۔ اگر تم توحید کے عقیدہ کو نہ مانو تو تم کائنات کی کوئی قابل فہم توجیہہ نہیں کر سکتے۔ اگر تم اسلام کو اختیار نہ کرو تو تم کہیں اور وہ مذہب نہیں پا سکتے جو مسلّمہ تاریخی واقعہ کی حیثیت رکھتا ہو۔

اسلام پکار کر کہہ رہا ہے کہ اگر تم اسلام کے تصور انسان پر ایمان نہ لاؤ تو تم کبھی سماج کے اندر برابری کا نظام قائم نہیں کر سکتے۔ اگر تم یوم الحساب کے عقیدہ کا اقرار نہ کرو تو انسانی اصلاح کے لیے تم کوئی دوسری فکری بنیاد وضع نہیں کر سکتے۔ اگر تم اسلامی تاریخ کو تسلیم نہ کرو تو اعلیٰ اخلاقی معیار کے لیے تم حقیقی انسانی نمونے کہیں اور نہیں پا سکتے۔

جاپان کے امکانات کو ایک جاندار قوم نے واقعہ بنایا۔ ایک ایسی قوم جو تمام ناخوش گواریوں پر صبر کرتے ہوئے چالیس سال جدوجہد کر سکتی تھی۔ اسی طرح اسلام کے عظیم تر امکانات کو واقعہ بنانے کے لیے بھی ایک زندہ قوم درکار ہے۔ مگر یہ زندہ قوم آج کہیں موجود نہیں۔ اس لیے اسلام کا امکان بھی جدید دنیا میں ابھی تک واقعہ نہ بن سکا۔

چالیس سال بعد

نکولا چاؤسسکو (Nicolae Ceausescu) رومانیہ کا کمیونسٹ لیڈر تھا۔ ۱۹۴۸ میں وہ رومانیہ کا وزیر زراعت بنا۔ اس کے بعد وہ ترقی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۹۶۷ میں وہ رومانیہ کا صدر بن گیا۔ اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لیے اس نے ہر ممکن کارروائی کی۔ اسی میں یہ تھا کہ اس نے اپنی بیوی الینا (Elena) کو نائب صدر بنایا اور بیشتر کلیدی عہدوں پر اپنے رشتہ داروں کو بٹھا دیا۔

چاؤسسکو نے طاقت کے ذریعہ اپنے تمام مخالفین کو کچل دیا۔ رومانیہ کے مشہور شاعر ایڈرین پاؤنیسکو کے ذریعہ اس نے ایک نظم تیار کرائی جو "نغمہ رومانیہ" کہی جاتی تھی۔ اس میں چاؤسسکو کو "رومانوی قوم کا سب سے زیادہ محبوب فرزند" قرار دیا گیا تھا۔ یہ نظم روزانہ مختلف مواقع پر سارے رومانیہ میں پڑھی جاتی تھی۔ رومانیہ کے لوگوں کو یہ بات ناپسند تھی کہ ملک کے تمام وسائل صرف ایک شخص کے اوپر وقف کر دیئے جائیں۔ آخر کار دسمبر ۱۹۸۹ میں بیلاوا پھٹ پڑا۔ عوام اور فوج دونوں نے چاؤسسکو کے خلاف بغاوت کر دی۔ چاؤسسکو نے اپنی حفاظت کے لیے اتنی بڑی پولیس بنا رکھی تھی جو فوج سے بھی زیادہ طاقت ور تھی۔ چنانچہ سخت تصادم ہوا۔ ستر ہزار آدمی مر گیے۔ اور تین سو ہزار آدمی زخمی ہوئے۔

چاؤسسکو اپنے وسیع محل میں ہر وقت ایک ہیلی کاپٹر تیار رکھتا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اب وہ اپنے اقتدار کو بچا نہیں سکتا تو وہ ہیلی کاپٹر پر بیٹھ کر فرار ہو گیا۔ اس کو اندیشہ ہوا کہ اس کا ہیلی کاپٹر مار کر گرا دیا جائے گا۔ چنانچہ وہ ایک مقام پر اتر کر زیر زمین پناہ گاہ (bunker) میں داخل ہو کر چھپ گیا۔ تاہم وہ یہاں بھی پکڑ لیا گیا اور عین کرسمس کے دن ۲۵ دسمبر ۱۹۸۹ کو چاؤسسکو اور اس کی بیوی الینا کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا ——— آسمان نے بھی اس کو جگہ دینے سے انکار کر دیا اور زمین نے بھی۔

چاؤسسکو اسٹالنسٹ اشتراکی تھا۔ وہ مذہب کا انتہائی سخت دشمن تھا۔ بخارسٹ کا ریڈیو اناؤنسر اس کی موت کی خبر دیتے ہوئے چلا اٹھا، اس نے کہا کہ اف، کیسی حیرت ناک خبر ہے۔ مسیح دشمن عین کرسمس کے دن مر گیا:

Oh, what wonderful news. The anti-Christ died on Christmas Day.

اس طرح کے واقعات ۱۹۸۹ میں کثرت سے پیش آئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ظالم انسانوں نے مذہب کے خلاف جو قلعے بنائے تھے، وہ خدا کی طرف سے مسلسل ڈھائے جا رہے ہیں۔

روس میں سرکاری طور پر مذہب کا مکمل خاتمہ کر دیا گیا تھا۔ مگر حالات کا دباؤ اتنا بڑھا کہ روس کی اشتراکی حکومت کو اپنے یہاں مذہبی آزادی کا اعلان کرنا پڑا۔ سوویت روس کے وزیر اعظم میخائیل گورباچوف نے خود ویٹیکن پہونچ کر پوپ سے ملاقات کی۔ مشرقی جرمنی میں مذہب کو بظاہر مکمل طور پر ختم کر دیا گیا تھا۔ مگر وہ بالآخر سیلاب بن گیا اور برلن دیوار (Berlin wall) توڑ کر باہر آگیا۔ چاؤسسکو اپنے سارے اقتدار اور اہتمام کے باوجود بری طرح ہلاک کر دیا گیا۔ وغیرہ

اس طرح براہ راست خدا کی طرف سے مذہب کی تبلیغ و اشاعت کے مواقع کھولے جا رہے ہیں۔ اس وقت مسلمانوں کے لیے سب سے اہم کام یہ ہے کہ وہ دنیا کی ہر زبان میں قرآن اور حدیث اور سیرت پر سادہ اور سائنٹفک انداز کی کتابیں تیار کر کے تمام قوموں میں پھیلا دیں۔

موجودہ زمانہ میں مسلمانوں نے اسلام کے نام پر کافی سرگرمی دکھائی ہے۔ مگر یہ سرگرمیاں زیادہ تر سیاست رخی رہی ہیں۔ اب ضرورت ہے کہ تمام سرگرمیوں کو دعوت و تبلیغ کے رخ پر چلایا جائے۔ آج کے انسان کو "سیاسی مذہب" سے کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ "روحانی مذہب" کا متلاشی ہے۔ وہ اپنی فطرت میں اٹھنے والی طلبِ خداوندی کا جواب چاہتا ہے۔ اگر اس وقت جدید انسان کے سامنے اسلام کو اس کی سادہ اور فطری صورت میں پیش کر دیا جائے تو انسان محسوس کرے گا کہ یہی وہ چیز ہے جس کو وہ اپنے اندرونی تقاضے کے تحت تلاش کر رہا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے تمام ضروری اسباب مہیا کر دیے ہیں۔ اب مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اٹھیں اور اسلام کو ہر خیمہ اور ہر گھر میں پہونچا دیں۔

ناکامیوں کے بعد

ظہیر الدین محمد بابر (۱۴۸۳ - ۱۵۳۰) فرغانہ میں پیدا ہوا۔ یہ علاقہ اِس وقت سوویت روس (ازبیک) میں شامل ہے۔ باپ کے واسطے اس کا سلسلہ نسب تیمور سے ملتا ہے اور ماں کے واسطے سے چنگیز خاں سے۔ بابر کا باپ عمر شیخ مرزا فرغانہ کا حاکم تھا۔ اُس وقت یہ مقام کوہ ہندوکش کے شمال میں ایک چھوٹے پرگنہ کی حیثیت رکھتا تھا۔

فرغانہ کے پڑوس میں سمرقند تھا جو تیمور کی قدیم راجدھانی تھا۔ یہاں محمد شیبانی خاں کی حکومت تھی جو چنگیز خاں کی نسل سے تعلق رکھتا تھا۔ بابر کا باپ مستقل اس کوشش میں رہا کہ وہ سمرقند کو فتح کرکے اس کو اپنی سلطنت میں شامل کرے۔ مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ باپ کی وفات پر ۱۴۹۴ میں بابر فرغانہ کا حاکم بنا جب کہ اس کی عمر صرف گیارہ سال تھی۔ باپ کی پیروی میں اس نے سمرقند پر قبضہ کرنے کے لیے اس پر کئی حملے کیے۔ مگر ۱۵۰۱ میں اس کو فیصلہ کن شکست ہوئی۔ یہاں تک کہ اس نے خود اپنی موروثی سلطنت فرغانہ کو بھی کھو دیا۔

ایک مورخ نے لکھا ہے کہ ایک کم سن بادشاہ کی حیثیت سے بابر نے فرغانہ کو کھو دیا۔ وہ مصیبتوں کے ایک دور میں داخل ہو گیا۔ اس کو خود اپنے پدری اور مادری چچاؤں سے لڑائی لڑنی پڑی۔ مگر ۲۰ سالہ مصیبت اور جنگ کے دوران اس نے اپنے حریفوں (ترک، مغل، ایرانی اور افغانی) سے کامیاب جنگی تدبیریں اور حربی طریقے سیکھ لیے۔ اس نے ان طریقوں میں سائنٹفک امتزاج پیدا کیا۔ سالہا سال کی شکستوں اور وطن سے محرومی اور طرح طرح کی مشکلات کے نتیجہ میں وہ ایک اچھا فوجی جنرل بن گیا۔ اپنے باپ دادا کے علاقہ کو حاصل کرنے کے بارہ میں اپنے منصوبہ کی ناکامی کے بعد بابر نے اپنی توجہ ہندستان کی طرف موڑ دی:

As a boy king he lost Farghana and passed through a period of adversity, having to fight his own paternal and maternal uncles. During 20 years of adversity and warfare Babur trained himself by appropriating military tactics and modes of warfare of his adversaries – Turks, Mongols, Persians, and Afghans, and he made a scientific synthesis of these systems. He became a good general through a career of many defeats and through years of homeless wanderings, privations and hardships... Foiled in his design of recovering his ancestral domain in Central Asia, Babur turned his attention to India. (9/378).

بابر نے پہلی بار ۱۵۱۹ میں ہندستان پر حملہ کیا۔ اس کی پیش قدمی جاری رہی۔ یہاں تک کہ ۱۵۲۶ میں اس نے دہلی اور آگرہ پر قبضہ کرکے ہندستان میں مغل سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اپنے وطن فرغانہ کو اس نے ایک شکست خوردہ انسان کی حیثیت سے چھوڑا تھا، مگر ۲۶ دسمبر ۱۵۳۰ کو آگرہ میں جب اس کا انتقال ہوا تو تاریخ اس کو اپنے صفحات میں ایک فاتح بادشاہ کی حیثیت سے درج کر چکی تھی۔

بابر کو کامیابی اس حوصلہ مندانہ عمل کی بنا پر ہوئی کہ اس نے اپنی ناکامی کو کامیابی میں تبدیل کیا۔ اس نے خود ناکامی کے اندر وہ پہلو تلاش کر لیے جو اس کو عظیم تر کامیابی کی طرف لے جانے والے ہوں۔

بابر کو جب اپنے حریفوں کے مقابلہ میں شکست ہوئی تو اس نے شکایتی انداز اختیار نہیں کیا۔ اس نے ایسا نہیں کیا کہ وہ ان کی سازشوں اور ان کے تخریبی منصوبوں کی فہرست مرتب کرنے لگے۔ وہ اپنے حریفوں کے خلاف لفظی گولہ باری میں مشغول ہو جائے۔

اس کے بجائے بابر نے اپنا ذہن اس سوچ میں لگایا کہ میرے حریفوں کو میرے مقابلہ میں کامیابی کیونکر حاصل ہوئی۔ میری ہار اور ان کی جیت کا سبب کیا تھا۔ بابر کی اس سوچ نے اس کو بتایا کہ اس کے حریف زیادہ کارگر تدبیروں کو جانتے تھے۔ انھوں نے زیادہ موثر حربے استعمال کرکے اس کو ناکام بنا دیا۔

اب بابر نے اپنے حریف کے حربوں اور ان کی تدبیروں کو اپنانا شروع کیا۔ اس نے مزید غور و تجربہ کے ذریعہ ان کو مزید ترقی یافتہ بنایا۔ اس طرح زیادہ بہتر طور پر مسلح ہو کر اس نے ایک نئے وسیع تر میدان (برصغیر ہند) کی طرف رخ کیا۔ اس کی یہ تدبیر کامیاب رہی۔ اپنے وطن میں اس نے جتنا کھویا تھا، اس سے بہت زیادہ اس نے وطن کے باہر حاصل کر لیا۔

موجودہ دنیا مقابلہ کی دنیا ہے۔ یہاں دوسروں سے ٹکراؤ ہوتا ہے۔ اس لیے ناکامیوں کا پیش آنا لازمی ہے۔ کامیاب وہ ہے جو اپنی ناکامی کو اپنے لیے غذا بنا سکے۔ وہ کھونے میں پانے کا راز دریافت کر لے۔

بے ترتیب نماز

ایک شخص اگر ایسا کرے کہ وہ نماز پہلے پڑھ لے اور وضو اس کے بعد کرے تو ایسے آدمی کو نماز پڑھنے والا نہیں کہا جائے گا۔ شریعت کی نظر میں وہ ایک سرکش آدمی ہے نہ کہ نمازی آدمی۔ اگر کوئی شخص اس قسم کی بے ترتیب نماز پڑھے تو اگرچہ وہ بظاہر نماز کے تمام اجزاء کو دہرا رہا ہو گا مگر اس کی بے ترتیبی اس کی نماز کو باطل کر دے گی۔ کوئی بھی عالم یا فقیہ اس کو نمازی تسلیم نہیں کرے گا۔

دنیا میں آپ کو ایسا کوئی مسلمان نہیں ملے گا جو اس قسم کی بے ترتیب نماز پڑھے۔ کیوں کہ وہ نماز کے معاملہ میں اس مسئلہ کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اس کو یقین ہے کہ ایسی بے ترتیب نماز خدا کے یہاں قبول ہونے والی نہیں۔ مگر ایک اور معاملہ میں ہر جگہ کے مسلمان اسی قسم کی "نماز" پڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ پہلے "نماز" پڑھ لیں، اور اس کے بعد "وضو" کریں۔ اس تبدیلی (یا تحریف) کے باوجود ان کو مجاہد اسلام کا خطاب مل رہا ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اعلان کے مطابق، اسلامی حکومت یا اسلامی نظام قائم کرنے کا نعرہ لگا رہے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے آپ نے لمبی مدت تک رات دن محنت کرکے لوگوں کا ذہن بنایا۔ اس کے بعد اسلامی قانون کا نفاذ کیا۔ مگر موجودہ زمانہ کے مجاہدین اسلام اس کے برعکس یہ چاہتے ہیں کہ پہلے حکومت پر قبضہ کریں، اس کے بعد افراد کا ذہن بنائیں۔

ان کا کہنا ہے کہ پہلے ملک حاصل کرو، اس کے بعد اسلامی زندگی کی تعمیر کرو۔ پہلے فاسد حکمراں کو ہلاک کرو، اس کے بعد صالح قیادت پیدا کرو۔ پہلے سینما ہاؤس کی عمارت کو توڑو، اس کے بعد سینما بینی کا خاتمہ کرو۔ پہلے سیاسی تبدیلی لے آؤ، اس کے بعد افراد کا ذہن بدلو۔ پہلے وزارت اعلام پر قبضہ کرو، اس کے بعد وسائل اعلام کو اسلام کے لیے استعمال کرو۔

اس قسم کی تمام کارروائیاں "پہلے نماز اور اس کے بعد وضو" کی مصداق ہیں۔ معروف نماز کی ترتیب چونکہ تسلسل کے ساتھ زمانۂ نبوت سے چلی آ رہی ہے، اس لیے تسلسل اور تواتر نے اس کی ہیئت کو لوگوں کی نظر میں اٹل بنا دیا ہے۔ وہ اس کے خلاف سوچنے کی جرأت نہیں کرتے۔ اس کے برعکس اسلامی حکومت کے قیام کے بارے میں اس قسم کا عملی [illegible] تر یا مسلسل مشاہدہ موجود نہیں۔ اس لیے اس کی ترتیب کا معاملہ لوگوں کو اس

طرح اٹل نظر نہیں آتا جیسا کہ نماز کا نظر آتا ہے۔ حالاں کہ شرعی حکم یا سنتِ رسول ہونے کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

"پہلے اقتدار اور اس کے بعد ذہن سازی" کا نظریہ اگر صحیح ہوتا تو خدا کے تمام پیغمبر سب سے پہلے اس نظریہ پر عمل کرتے۔ مگر واقعات بتاتے ہیں کہ مواقع ملنے کے باوجود انھوں نے ایسا نہیں کیا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مکہ کے لوگوں کی طرف سے یہ پیش کش کی گئی کہ اگر آپ اپنی اس دعوت کے ذریعہ حکومت کے طالب ہیں تو ہم آپ کو اپنے اوپر حاکم بنا لیتے ہیں (وان کنت تريد به ملكاً ملكناك علينا، سیرۃ ابن ہشام، الجزء الاول، صفحہ ۳۱۵) مگر آپ نے حکومت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ اقتدار سے الگ رہ کر توحید اور آخرت کے عقیدہ کو لوگوں کے دلوں میں داخل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہی واقعہ ایک اور شکل میں پیش آیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مصر میں مبعوث کیا۔ وہاں آپ نے فرعون کے سامنے توحید کی دعوت پیش کی۔ لمبے عرصہ تک آپ جدوجہد کرتے رہے۔ مگر فرعون نے آپ کی دعوت قبول نہ کی۔ یہاں تک کہ اللہ کی نظر میں وہ قابلِ سزا ٹھہرا۔ اس کے بعد فرعون اور اس کا پورا لشکر سمندر میں غرق کر دیا گیا۔ فرعون کی فوجی طاقت مکمل طور پر ختم ہوگئی۔

اب حضرت موسیٰ کے لیے موقع تھا کہ وہ اپنی قوم کے ساتھ لوٹ آئیں اور مصر کے خالی تخت پر بیٹھ جائیں۔ وہ مصر کے شاہی محل اور اس کے ایوانِ حکومت پر قبضہ کر لیں۔ اس طرح اقتدار حاصل کر لینے کے بعد وہ مصر کے لوگوں کا یا بنی اسرائیل کا ذہن بدلنے کا کام کریں۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا نہیں کیا۔ مصر میں سیاسی قبضہ کے مواقع ہونے کے باوجود وہ مصر کو چھوڑ کر صحرائے سینا میں چلے گیے۔ اور وہاں دعوتی انداز میں بنی اسرائیل کی اصلاح و تربیت کا کام کرتے رہے۔ تربیت کا یہ کام جب ۴۰ سال میں مکمل ہوگیا، اس وقت بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت یوشع بن نون کی قیادت میں سیاسی اور فوجی اقدام کیا، اور عمالقہ کو مغلوب کر کے شام و فلسطین پر اپنی حکومت قائم کی۔

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں ریڈیو اور ٹیلی وژن جیسی چیزوں کی ایجاد نے ہمارے لیے نئے مواقع پیدا کر دیئے ہیں۔ یہ ذہن سازی کے نہایت وسیع اور کارگر ذرائع ہیں۔ مگر ان کو استعمال کرنے کے لیے اقتدار کا ہونا ضروری ہے۔ اس لیے آج کی ضرورت یہ ہے کہ پہلے اقتدار پر قبضہ کر لیا جائے، اس کے بعد نیوز میڈیا اور الکٹرانک میڈیا کو استعمال کر کے عوام کی دینی تربیت کی جائے۔ اس طرح خود ذہن سازی

کے کام کا تقاضا ہے کہ پہلے اقتدار پر قبضہ حاصل کیا جائے تاکہ تربیت عوام کے اس موثر ذریعہ کو اسلام کے حق میں استعمال کیا جاسکے۔

مگر یہ محض خوبصورت الفاظ ہیں۔ اس کے سوا اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جس طرح وضو اور نماز کی ترتیب ابدی ہے اسی طرح ذہنی انقلاب اور حکومتی انقلاب کی ترتیب بھی ابدی ہے۔ دور اول میں جس طرح انقلاب لایا گیا، بعد کے دور میں بھی اگر انقلاب لایا جا سکتا ہے تو اسی طرح لایا جا سکتا ہے۔ اس کے سوا دوسرا ہر طریقہ وقت کا ضیاع ہے، اس کے سوا اور کچھ نہیں۔

تجربات اس نظریہ کو غلط ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ مثال کے طور پر جنرل محمد ضیاء الحق نے ۱۹۷۷ میں پاکستان کے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ اور ساڑھے گیارہ سال کی طویل مدت تک پاکستان کے مطلق حکمراں بنے رہے۔ پاکستان کے اقتدار پر قابض ہونے کے بعد، دوسری بہت سی کارروائیوں کے علاوہ انھوں نے یہ کیا کہ ایک اسلام پسند لیڈر (محمود اعظم فاروقی) کو اطلاعات ونشریات کے محکمہ کا وزیر بنا دیا۔

اس کے بعد وہ مہم پوری طرح جاری کر دی گئی جس کو میڈیا کے ذریعہ عوام کی ذہنی تربیت کہا جاتا ہے۔ مگر طویل کوشش کے باوجود اس کا ایک فی صد فائدہ بھی حاصل نہیں ہوا۔ پاکستان کا معاشرہ مزید بگڑتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ ضیاء الحق صاحب کی موت کے بعد پاکستان کا جو پہلا الکشن (نومبر ۱۹۸۸) ہوا، اس میں پاکستان کے عوام نے اسلامی نظام کے حامیوں کو چھوڑ کر ان لوگوں کو مرکزی اقتدار پر بٹھا دیا جو بالاعلان طور پر سیکولر نظام کے حامی تھے۔

ایجنسی ایک پروگرام

اگر آپ الرسالہ کو پسند کرتے ہیں تو الرسالہ کی ایجنسی لیجئے۔ الرسالہ کی ایجنسی لینا اپنی پسند کو ایک متحرک مشن بنا دینا ہے۔

صحابی کا طریقہ

مکی دور کے آخری زمانہ میں مخالفین کی زیادتیاں بہت بڑھ گئیں۔ اس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو اجازت دیدی کہ ان میں سے جو لوگ چاہیں وہ سمندر پار ملک حبش چلے جائیں۔ چنانچہ ایک سو سے زیادہ آدمی مکہ چھوڑ کر حبش چلے گیے۔

یہ اسلامی تاریخ کا ایک مستقل باب ہے اور بہت سے واقعات اس سے وابستہ ہیں۔ اس سلسلہ کا ایک واقعہ یہ ہے کہ مسلمان حبش میں پُرامن طور پر رہ رہے تھے۔ ان کی پاکیزہ سیرت کے نتیجہ میں وہاں کا بادشاہ نجاشی بھی ان کی نہایت عزت کرتا تھا۔ اس درمیان میں ایک حادثہ پیش آیا۔

امام احمد نے امِ سلمہ سے روایت کیا ہے کہ ہم لوگ حبش میں بہتر ملک اور بہتر پڑوسیوں کے درمیان تھے کہ نجاشی کے ایک حریف بادشاہ نے اس کے اوپر چڑھائی کر دی۔ ہم لوگوں کو اس کا بہت زیادہ دکھ ہوا۔ نجاشی اپنی فوج کے ساتھ مقابلہ کے لیے نکلا۔ یہاں تک کہ وہ دریائے نیل کے اس پار چلا گیا۔

چند دن کے بعد اصحابِ رسولؐ نے آپس میں کہا کہ ہم میں سے کسی شخص کو مقام جنگ پر جانا چاہیے اور وہاں سے خبر لانا چاہیے۔ زبیر بن عوام نے کہا کہ میں جاؤں گا۔ وہ اس وقت نوجوان تھے:

قالت فنفخوا له قربة فجعلها في صدره فَسَبَحَ عليها حتى خرج الى ناحية النيل التي بها ملتقى القوم ثم انطلق حتى حضرهم

امِ سلمہ کہتی ہیں کہ لوگوں نے ان کے لیے ایک مشک میں پھونک مار کر ہوا بھری۔ پھر انھوں نے اس کو اپنے سینہ پر باندھا۔ اس کے بعد وہ نیل میں داخل ہوئے اور اس کے سہارے سے تیر کر دریا کے دوسری جانب پہونچے جہاں میدانِ مقابلہ قائم تھا۔ پھر وہ مزید چلے یہاں تک کہ وہ ان لوگوں تک پہونچ گیے۔

حضرت امِ سلمہؓ مزید بتاتی ہیں کہ ہم لوگ نجاشی کے لیے دعا کرتے رہے کہ اس کو فتح ہو اور

اس کو اپنے ملک میں استحکام حاصل ہو۔ خدا کی قسم، ہم اسی حال میں تھے کہ زبیر بن عوام واپس آئے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ تم لوگوں کو بشارت ہو، اللہ نے نجاشی کو فتح دی اور اس کے دشمن کو ہلاک کر دیا۔ اس خبر کو سن کر ہم لوگ اتنا خوش ہوئے جتنا کبھی خوش نہیں ہوئے تھے (الجزءالاول صفحہ ۵۳-۳۵۲)

مشک میں ہوا بھر کر اس کو تیرنے کے لیے بطور معاون استعمال کرنا عین وہی چیز ہے جس کو موجودہ زمانہ میں لائف بوائے (lifebuoy) کہا جاتا ہے۔ جدید لائف بوائے کی بہت سی قسمیں ہیں۔ قدیم مشک گویا اسی تکنیک کی سادہ اور ابتدائی صورت تھی۔

مکہ میں دریا نہ تھا، اس لیے مکہ میں اس تدبیر کا رواج نہیں ہو سکتا۔ گمان غالب یہ ہے کہ ان مسلمانوں نے حبش میں اس تدبیر کو معلوم کر کے اس کو استعمال کیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نئی چیزوں کی تلاش کا کتنا زبردست جذبہ ان مسلمانوں کے اندر ابھر آیا تھا۔

حضرت زبیر ابن عوام ایک صحابی رسول تھے۔ ان کے اندر بلاشبہ کامل اور معیاری ایمان پایا جاتا تھا۔ مگر اپنے سینہ میں اعلیٰ ترین اور طاقت ور ترین ایمان کا سرمایہ رکھنے کے باوجود انھوں نے ایسا نہیں کیا کہ بس جوش کے تحت دریا میں کود پڑیں۔ وہ کہیں کہ ہمارے پاس ایمان کی دولت موجود ہے، اس لیے اب ہم کو مزید کسی سہارے کی ضرورت نہیں۔

انھوں نے اس قسم کے جوشِ ایمان کا مظاہرہ کرنے کے بجائے یہ کیا کہ زمانہ کے مطابق، تیراکی کی تدبیر دریافت کی اور اس کو عین اس طرح استعمال کیا جس طرح دوسرے غیر مسلم لوگ اس کو استعمال کر رہے تھے۔ وہ دریا میں کودے، مگر تدبیری اہتمام کے ساتھ۔ وہ اپنے ایمانی جذبہ کے تحت متحرک ہوئے، مگر اسباب کی ضروری شرطوں کو پورا کر لینے کے بعد۔

یہ صحابہ کا اسلام تھا۔ اور اسلام بلاشبہ وہی ہے جو صحابہ نے اختیار کیا۔

مقام کیسے ملا

حمزہ بن عبد المطلب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ ان کے متعلق اسلامی تاریخ میں لکھا گیا کہ حمزہ ان لوگوں میں سے تھے جن کے ذریعہ اللہ نے دین کو طاقت دی (کان حمزة ممن اعز الله به الدين)، السيرة النبوية لابن كثير، المجلد الاول، صفحہ ۴۴۶) حضرت حمزہ کو یہ مقام بلا سبب نہیں مل گیا۔ بلکہ وہ ان کے حقیقی عمل کے نتیجہ میں انھیں حاصل ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب حکم ہوا کہ اپنے خاندان کے قریبی لوگوں کو آگاہ کرو (الشعراء ۲۱۴) تو آپ نے خصوصی طور پر حمزہ کے سامنے دین توحید کو پیش کیا۔ مگر ان کے ذہن پر باپ دادا کے دین کا اتنا غلبہ تھا کہ ابتداء میں کئی سال تک اسلام کی صداقت ان کی سمجھ میں نہ آسکی۔ آخر کار نبوت کے چھٹے سال انھوں نے اسلام قبول کیا۔

ایک روز وہ شکار کھیل کر واپس آئے۔ ان کے ہاتھ میں لوہے کی کمان تھی۔ عین اس وقت ایک عورت نے آکر ان سے کہا کہ ابھی میں نے صفا پہاڑی کے پاس محمد کو دیکھا ہے۔ وہاں عمرو بن ہشام (ابو جہل) بھی تھا اور وہ تمہارے بھتیجے کو گالی دے رہا تھا اور بہت زیادہ برا کہہ رہا تھا۔ حمزہ خاندانی غیرت کے تحت گھر سے نکلے۔ کعبہ میں انھوں نے ابو جہل کو پالیا۔ وہ ابھی تک غصہ میں تھے۔ انھوں نے لوہے کی کمان ابو جہل کے سر پر اتنے زور سے ماری کہ خون نکل آیا۔ انھوں نے ابو جہل سے کہا کہ تم میرے بھتیجے کے دشمن بنے ہوئے ہو، تو سن لو کہ میرا دین بھی وہی ہے جو محمد کا دین ہے (دینی دین محمد) ابو جہل کا تعلق قبیلہ بنو مخزوم سے تھا اور حمزہ کا تعلق قبیلہ بنو ہاشم سے۔

گھر واپس آئے تو قوم کے کچھ لوگ ان سے ملے۔ انھوں نے حمزہ کو شرم دلائی کہ تم صابی (بددین) ہو گئے۔ تم نے اپنے باپ دادا کے طریقہ کو چھوڑ دیا۔ ایک بھتیجے کی خاطر تم قوم کے تمام اکابر سے کٹ گئے وغیرہ۔ اس طرح کی باتوں سے حمزہ ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گئے۔ انھیں شبہ ہونے لگا کہ شاید میں نے خاندانی حمایت کے جوش میں آکر غلطی کر دی ہے۔ وہ رات بھر بے چین رہے۔ انھیں ساری رات نیند نہیں آئی۔ صبح ہوئی تو اسی بے چینی کے عالم میں خانہ کعبہ میں گئے۔ وہاں اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے پورے تضرع اور انابت کے ساتھ دعا کی:

مَا صَنَعْتُ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ رُشْدًا فَاجْعَلْ تَصْدِيْقَهُ فِيْ قَلْبِيْ وَ اِلَّا فَاجْعَلْ لِيْ مِمَّا وَقَعْتُ فِيْهِ مَخْرَجًا (صفحہ ۴۴۶)

میں نے جو کچھ کیا، اے اللہ اگر وہ ہدایت ہے تو اس کی تصدیق میرے دل میں ڈال دے۔ ورنہ میں جس میں پڑ گیا ہوں اس سے میرے لئے نکلنے کی صورت پیدا فرما۔

اسی کے ساتھ اگلے دن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے۔ انھوں نے آپ سے کہا کہ اے میرے بھتیجے میں ایک معاملہ میں پڑ گیا ہوں۔ اور اس سے نکلنے کی صورت مجھے نظر نہیں آتی۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ ہدایت ہے یا گمراہی ہے۔ اس لئے آپ اس معاملہ میں مجھے بتائیے۔ اے بھتیجے میں تم سے اس معاملہ میں سننا چاہتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ نے ان کو نصیحت کی۔ انھیں خوف دلایا اور ان کو اللہ کے انعام کی خوش خبری دی۔ اس کے بعد اللہ نے ان کے دل میں یقین ڈال دیا۔ انھوں نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صادق ہیں۔ اے میرے بھتیجے، اپنے دین کا اعلانِ عام کرو۔ خدا کی قسم، اگر مجھے وہ سب کچھ دیا جائے جس پر آسمان نے سایہ کیا ہے، تب بھی میں اس دین کو نہیں چھوڑوں گا (صفحہ ۴۴۶)

اس کے بعد حضرت حمزہ آپ کے مکمل ساتھی بن گئے۔ زمانۂ جاہلیت میں وہ ایک دولت مند شخص تھے۔ اسلام میں آنے کے بعد ان کی دولت ختم ہوگئی۔ انھیں اپنے وطن مکہ کو چھوڑ کر مدینہ جانا پڑا۔ اسلام کی خاطر انھیں اپنی قوم سے لڑائی لڑنی پڑی۔ یہاں تک کہ احد کی جنگ میں وہ شہید ہوگئے۔ تاہم آخر تک وہ پوری وفاداری کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وابستہ رہے۔

یہ وہ عظیم سعادت ہے جو حضرت حمزہ کو حاصل ہوئی۔ تاہم یہ سعادت انھیں سادہ طور پر نہیں مل گئی۔ انھوں نے اپنے غیرت کے جذبات کو خدا کے دین کے لئے استعمال کیا۔ جب شیطان نے ان کے اندر شبہہ ڈالا تو انھوں نے اس شبہہ کو قبول نہیں کر لیا، بلکہ اس کے لئے گریہ وزاری کے ساتھ دعائیں کیں۔ رسول اللہ سے مل کر اس کی وضاحت معلوم کی۔ اور جب بات واضح ہوگئی تو پھر کوئی چیز ان کے لئے اعتراف میں مانع نہیں ہوئی۔ انھوں نے نہ صرف کھلے دل سے اعتراف کیا بلکہ ہر نقصان اور مصیبت کو برداشت کرتے ہوئے برابر اس پر قائم رہے۔

یہ ہے حضرت حمزہ کی وہ قربانی جس کے نتیجہ میں ساری دنیا کے مسلمان ہر ہفتہ جمعہ کے خطبہ میں "سید الشہداء حمزہ" کہہ کر ان کی دینی عظمت کا اعتراف کرتے ہیں۔

اس میں سبق ہے

مولانا اکرام الدین قاسمی (پیدائش ۱۹۳۸) ڈمراواں (ضلع بھاگل پور) کے رہنے والے ہیں۔ ۷ فروری ۱۹۹۰ کی ملاقات میں انھوں نے اپنے کچھ واقعات بتائے جن میں بہت بڑا سبق ہے۔

۱۹۶۶ کا واقعہ ہے۔ مولانا اکرام الدین صاحب نے گنگا کو اسٹیمر سے پار کیا۔ وہ برارہی ریلوے اسٹیشن پر بھاگل پور جانے والی پسنجر ٹرین پر سوار ہو گئے۔ ٹرین میں بھیڑ تھی۔ ایک جگہ سیٹ پر ڈالڈہ کا ڈبہ رکھا ہوا تھا۔ وہ ڈبہ کو کھسکا کر وہاں بیٹھ گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک ہندو نوجوان آیا۔ یہ ڈبہ اسی کا تھا۔ وہ اس کو سیٹ پر رکھ کر باہر چلا گیا تھا۔ جب اس کو اندازہ ہوا کہ ڈبہ اپنی جگہ سے ہٹایا گیا ہے تو اس نے پوچھا کہ اس کو کس نے ہٹایا ہے۔ مولانا اکرام الدین صاحب نے کہا کہ میں نے ہٹایا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ سخت غصہ ہو گیا۔ کیوں کہ اس کے عقیدہ کے مطابق ایک مسلمان نے اس کو چھو کر اس کو گندہ کر دیا تھا۔ اس نے کہا کہ اس ڈبہ میں گنگا جل تھا۔ اس کو لے کر میں دیوگھر جا رہا تھا۔ اس کو تم نے اپوتر کر دیا۔ اب وہ لے جانے کے قابل نہیں رہا۔

وہ غصہ میں آپے سے باہر تھا۔ اور نہایت گرم اور اشتعال انگیز لہجہ میں بار بار کہہ رہا تھا کہ تم نے میرے گنگا جل کو اپوتر کر دیا۔ مولانا اکرام الدین صاحب نے ان باتوں کا کوئی اثر نہیں لیا۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور سیٹ نوجوان کے لئے خالی کر دی۔ انھوں نے کہا کہ میں نہیں جانتا تھا کہ اس ڈبہ میں گنگا جل ہے۔ اور وہ میرے چھونے سے اپوتر ہو جائے گا۔ مجھ سے غلطی ہو گئی، مجھے معاف کر دو۔

ہندو نوجوان ان کے خلاف برستا رہا اور وہ خاموشی سے کسی ردعمل کے بغیر اس کو سنتے رہے۔ یہ منظر دیکھ کر ڈبہ کے تمام ہندو اس نوجوان کے خلاف ہو گئے۔ اور مولانا اکرام الدین صاحب کی حمایت کرنے لگے۔ انھوں نے نوجوان سے کہا کہ مولانا جب چپ ہیں اور اپنی غلطی مان رہے ہیں تو تم کیوں ان کے خلاف اتنا زیادہ چیخ رہے ہو۔ انھوں نے مولانا اکرام الدین صاحب سے کہا کہ آپ بالکل مطمئن رہئے۔ یہ آپ کا کچھ نہیں کر سکتا۔

آخر کار ہندو نوجوان چپ ہو گیا۔ مولانا اکرام الدین صاحب اپنی جگہ برابر کھڑے رہے۔ کچھ دیر کے بعد نوجوان نے بے رخی کے ساتھ مولانا اکرام الدین صاحب سے پوچھا کہ آپ کہاں سے آرہے ہیں۔ انھوں

نے بتایا کہ کھڑک بازار سے، اس وقت مولانا اسی مقام پر رہتے تھے) نوجوان نے کہا کہ کھڑک بازار میں ایک مولانا اکرام الدین ہیں، کیا آپ ان کو جانتے ہیں۔ وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔ میری ماں ان کے پاس گئی تھی اور ان سے تعویذ لائی تھی۔ اس تعویذ سے بہت فائدہ ہوا۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔

مولانا اکرام الدین صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا کہ ابھی تو وہ سفر میں ہیں۔ کل تک وہ وہاں پہنچ جائیں گے۔ اس وقت ان سے ملاقات ہو سکتی ہے۔ ہندو نوجوان نے پوچھا کہ آپ کو کیسے معلوم کہ وہ سفر میں ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ جس مسافر سے تم بات کر رہے ہو وہی مولانا اکرام الدین ہیں۔

یہ سنتے ہی ہندو نوجوان نے مولانا اکرام الدین کے پاؤں پکڑ لئے۔ اس نے کہا کہ مجھے چھما کر دیجئے۔ مجھ سے بہت بھاری غلطی ہو گئی۔ اس غلطی پر جی چاہتا ہے کہ میں اپنے آپ کو مار لوں۔ وہ نوجوان اپنی سیٹ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اصرار کر کے مولانا اکرام الدین صاحب کو اپنی جگہ بٹھا دیا۔ اس کے بعد وہ آخری اسٹیشن تک برابر کھڑا رہا۔ اگلے اسٹیشن پر جب دونوں اترے تو نوجوان نے اصرار کر کے مولانا کو ناشتہ کرایا۔

مولانا اکرام الدین صاحب نے اس طرح کے اور کئی واقعات سنائے اور کہا کہ ہندوؤں میں ہم نے جو اخلاق پایا وہ اخلاق ہم نے موجودہ مسلمانوں میں نہیں پایا۔

اسی طرح انھوں نے بتایا کہ ۱۹۸۲ میں میں تراویح سنانے کے لئے بنگلور گیا ہوا تھا۔ ایک روز میں ہگنور سے کورم پلی بذریعہ اسکوٹر جا رہا تھا۔ راستہ میں میرے اسکوٹر کا پٹرول ختم ہو گیا۔ کچھ دور تک میں اسکوٹر کو دھکیل کر لے گیا۔ پھر سڑک کے کنارے ناریل کا ایک باغ دکھائی دیا۔ اس کے اندر ایک کار کھڑی ہوئی تھی۔ میں باغ کے اندر گیا۔ وہاں ایک ہندو بیٹھا ہوا تھا۔ مجھ کو دیکھتے ہی اس نے اپنے آدمی سے کہا کہ ایک کرسی لے آؤ۔ مجھ کو کرسی پر بٹھا کر پوچھا کہ حضرت کیا کام ہے۔ میں نے کہا کہ میری گاڑی میں پٹرول ختم ہو گیا ہے۔ یہاں سے آٹھ کیلو میٹر دور جانے پر مجھے پٹرول مل سکے گا۔ میں کار دیکھ کر یہاں آگیا کہ شاید یہاں سے مجھے پٹرول مل جائے۔

مذکورہ ہندو نے فوراً اپنے ڈرائیور سے کہا کہ دیکھو اگر باہر پٹرول ہو تو اس کو حضرت کی گاڑی میں ڈال دو۔ اور اگر باہر نہ ہو تو اپنی گاڑی میں سے نکال کر ان کو پٹرول دے دو۔ پٹرول لینے کے بعد میں نے اپنی جیب سے بیس روپیہ کا نوٹ نکالا تاکہ پٹرول کی قیمت ادا کروں۔ اب ہندو

فوراً ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا کہ ہم کو معاف کیجئے۔ پیسہ کی ضرورت نہیں۔ ہم کو بس آپ کی دعا چاہئے۔

انسان کو غصہ نہ کیجئے۔ اور اگر کسی وجہ سے وہ غصہ ہو جائے تو جوابی غصہ نہ کرکے اس کو ٹھنڈا کر دیجئے۔ اس کے بعد آپ دیکھیں گے کہ جس کو آپ اپنا دشمن سمجھ رہے تھے، وہ آپ کے لئے ایسا ہو گیا ہے جیسے کہ وہ آپ کا قریبی دوست ہو۔

ہر آدمی خدا کا بنایا ہوا ہے۔ اس دنیا میں کوئی آدمی نہیں جس کو خدا کے علاوہ کسی اور نے پیدا کیا ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر آدمی کے اندر وہی فطرت ہے جو کسی دوسرے کے اندر ہے۔ ہر آدمی کے اندر اچھے اور برے کی وہی تمیز موجود ہے جو کسی دوسرے کے اندر پائی جاتی ہے۔

تاہم اسی کے ساتھ ہر آدمی کے اندر انا (ایگو) بھی موجود ہے۔ یہی "انا" ساری خرابیاں پیدا کرتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت خاص سے ہر آدمی کی انانیت کو اس کے سینہ کے اندر سلا رکھا ہے۔ ہر آدمی کی انا ابتدائی طور پر حالت خواب میں ہے۔ آپ کی عقل مندی یہ ہے کہ آدمی کی اس انا کو سویا رہنے دیں، اس کو کبھی بیدار نہ کریں۔

جب آدمی کی انا سو رہی ہو تو وہ اپنی حالت فطری پر ہوتا ہے۔ اس وقت وہ وہی کرتا ہے جو کہ انسانیت کا تقاضا ہے۔ کوئی آدمی صرف اس وقت برا بنتا ہے جب کہ اس کی انانیت کو جگا دیا جائے۔ عقل مند آدمی کو چاہئے کہ وہ دوسروں کی انا کو جگانے سے آخری حد تک پرہیز کرے۔ اور بالفرض اگر کسی کی انا جاگ اٹھے تو پہلی فرصت میں اپنے حکیمانہ رویہ سے اس آگ کو بجھا دے۔

جو لوگ عقل مندی کی اس روش کو اختیار کرلیں، ان کو کبھی دوسروں کی طرف سے شکایت نہ ہوگی، خواہ وہ ایک ملک میں رہتے ہوں یا کسی دوسرے ملک میں۔

دو ملک ایک واقعہ

ہندستان کے شہر بھاگلپور میں ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۰ کو ہندو مسلم فساد ہوا جس کا سلسلہ کئی دن تک جاری رہا۔ اس میں مسلمانوں کا زبردست جانی و مالی نقصان ہوا۔ اس کے بارہ میں بہت سی رپورٹیں اخبارات میں آچکی ہیں۔ بھاگل پور کے مولانا اکرام الدین قاسمی نے ذاتی جائزہ کے بعد ایک مفصل رپورٹ شائع کی ہے جو ۱۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس رپورٹ کا عنوان ہے: بھاگلپور میں آگ اور خون کی ہولی۔

اس رپورٹ کے ٹائٹل پر ایک تصویر ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح سات مسلمانوں کو بے دردی کے ساتھ جلایا اور قتل کیا گیا۔ اس تصویر کے نیچے لکھا ہوا ہے: بھاگلپور کے ایک خاندان کے سات افراد کی لاشیں، جن میں ایک سال کا معصوم بچہ بھی شامل ہے۔

اب دوسری تصویر دیکھئے۔ پاکستان کے شہر کراچی میں ۷ فروری ۱۹۹۰ کو مسلم مسلم فساد ہوا جس کا سلسلہ کئی روز تک برابر جاری رہا۔ پاکستان کے مشہور اخبار نوائے وقت (۸ فروری ۱۹۹۰) کے صفحۂ اول پر اس کی خبر نمایاں طور پر چھپی ہے۔ اس خبر کی سرخی یہ ہے: کراچی میں آگ اور خون کا کھیل۔

اس سلسلہ میں نوائے وقت (۱۰ فروری ۱۹۹۰) کے صفحۂ اول پر مزید یہ خبر درج ہے کہ کراچی میں پانچ افراد پیٹ چاک کرنے کے بعد زندہ جلا دیئے گئے۔ یہ المناک اور بہیمانہ واقعہ منگھو پیر روڈ پر ہوا۔ یہاں ایک جلی ہوئی سوزوکی وین سے پانچ مسخ شدہ لاشیں برآمد کی گئیں۔ ان پانچ افراد کو رسیوں کے ساتھ وین کے اندر باندھا گیا اور ان کا پیٹ پھاڑ کر زندہ جلا دیا گیا۔

جو لوگ "بھاگلپور" کے واقعہ کو ہندو ظلم کے خانہ میں ڈالتے ہیں، وہ "کراچی" کے اسی قسم کے واقعہ کو کس کے ظلم کے خانہ میں ڈالیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں ان دونوں واقعات کا کوئی مشترک سبب تلاش کرنا ہوگا۔ یہ مشترک سبب صرف ایک ہے۔ اور وہ عدم برداشت ہے۔

زندگی ناخوش گوار واقعات کو خوش گواری کے ساتھ برداشت کرنے کا نام ہے۔ اگر آپ اس برداشت کے لیے تیار ہوں تو آپ اپنی زندگی میں کامیاب رہیں گے۔ اور اگر آپ اس برداشت پر راضی نہ ہوں تو آپ "آگ اور خون" کے حوالے کیے جائیں گے، خواہ آپ مسلم ملک میں ہوں یا غیر مسلم ملک میں۔

نفرت، محبّت

روایات میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ کی مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کے اصحاب بھی وہاں موجود تھے۔ اتنے میں ایک اعرابی (دیہاتی گنوار) وہاں آیا۔ وہ مسجد کے اندر ایک جگہ کھڑا ہو کر پیشاب کرنے لگا۔ صحابہ اس کو پکڑنے اور مارنے کے لیے دوڑے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے منع کیا کہ اسے چھوڑ دو۔ جب اعرابی پیشاب کر چکا تو آپ نے صحابہ سے کہا کہ ایک بالٹی پانی لو اور جہاں اس نے پیشاب کیا ہے وہاں پانی بہا کر اس کو صاف کر دو۔ اس کے بعد آپ نے اعرابی کو بلایا اور نرمی کے ساتھ اس سے کہا کہ دیکھو یہ مسجد ہے۔ یہاں خدا کا ذکر اور عبادت کی جاتی ہے۔ یہ بول و براز کرنے کی جگہ نہیں۔

اعرابی پر اس واقعہ کا بہت اثر ہوا۔ ابتدا میں اگر اس کا گنوارپن جاگا ہوا تھا تو اب اس کا ضمیر جاگ اٹھا۔ وہ اسی حالت میں اپنے قبیلہ میں واپس گیا۔ وہاں وہ دیوانہ وار لوگوں سے کہتا پھرتا تھا کہ دیکھو، میں مدینہ گیا۔ وہاں میں نے یہ گندا کام کیا کہ محمد کی مسجد میں پیشاب کر دیا۔ مگر انھوں نے صرف یہ کیا کہ جہاں میں نے گندا کیا تھا اس کو پانی سے دھو دیا۔ خدا کی قسم محمد نے نہ مجھ کو جھڑکا اور نہ وہ میرے اوپر غصہ ہوئے (واللہ ما زجرنی محمد. واللہ ما قہرنی محمد) اعرابی کا یہ کہنا اس کے قبیلہ والوں کے لیے اسلام کی تبلیغ بن گیا۔ چنانچہ پورا کا پورا قبیلہ اسلام کے دین میں داخل ہو گیا۔ جس قبیلہ کے ایک آدمی نے مسجد میں آکر پیشاب کر دیا تھا، اسی قبیلہ کے تمام آدمی دوبارہ مسجد میں اس لیے آئے کہ مسجد کا احترام کریں اور اس میں ایک خدا کے آگے سجدہ کر کے اپنی اطاعت و فرماں برداری کا اظہار کریں۔

یہ دور رسالت کا واقعہ ہے۔ اب موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کو دیکھئے۔ ۱۸۳۱ میں سید احمد شہید بریلوی کو زبانی طور پر یہ خبر ملی کہ پنجاب کے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے پنجاب کی کچھ مسجدوں کو اصطبل بنا دیا ہے۔ وہاں اس کے گھوڑے بندھے ہوئے ہیں۔ اس خبر کے بعد انھیں کسی مزید تحقیق کی ضرورت نہ تھی۔ وہ بہت سے مسلمانوں کو لے کر پنجاب پہونچے اور رنجیت سنگھ کی فوجوں سے لڑ گیے۔ اس لڑائی میں ہزاروں مسلمان مارے گیے۔ ایک تذکرہ نگار کے الفاظ میں، پنجاب کی زمین مسلمانوں کے

خون سے لالہ زار ہو گئی۔

۱۸۵۷ کے غدر (یا جنگ آزادی) میں یہ واقعہ ہوا کہ مسلمان اس بات پر بھڑک اٹھے کہ انھیں وقت کے حکمرانوں کی طرف سے ایسے کارتوس دیئے گیے ہیں جن میں خنزیر کی چربی لگی ہوئی ہے۔ یا کچھ انگریز سپاہی اپنے گھوڑوں پر چڑھ کر کسی مسجد کے اندر داخل ہو گیے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں مسلمانوں نے انگریزوں سے جو لڑائی لڑی، اس میں لاکھوں مسلمان مارے گیے۔ بے شمار مسلمانوں کا خون بہا۔ مگر سب کچھ لاحاصل، کیوں کہ جو صورت حال تھی، وہ بدستور مزید شدت کے ساتھ برقرار رہی۔

اس وقت سے لے کر اب تک لڑائی بھڑائی کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ مسلمان ہر طرف اپنا خون بہا رہے ہیں۔ غیر قوم کا کوئی شخص مسجد کی دیوار پر رنگ ڈال دے۔ کوئی مسجد کے سامنے غلط نعرے لگادے۔ کوئی جلوس باجا بجاتا ہوا مسجد کی سڑک سے گزر جائے۔ اس طرح کا کوئی واقعہ ہو تو مسلمان مشتعل ہو کر لڑ جاتے ہیں۔ اس کے بعد مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کے درمیان فساد ہوتا ہے گولیاں چلتی ہیں۔ بے شمار لوگ مارے جاتے ہیں۔ اس طرح کے جھگڑے اور لڑائیوں میں مسلمانوں کا جو خون بہتا ہے وہ اتنا زیادہ ہے کہ اس کو ناپنے کے لیے بالٹی کی نہیں بلکہ ڈرم کی ضرورت ہوگی۔ مسلمانوں کے اپنے بیان کے مطابق سڑکوں پر مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے۔ بستیاں مسلمانوں کے خون سے سرخ ہو رہی ہیں۔

اب دیکھیے کہ یہ سارا خون جو بہایا جا رہا ہے اس کا فائدہ کیا ہے۔ کیا اس کی وجہ سے خدا کے بندے خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔ کیا اس کی وجہ سے اسلام کے دشمن اسلام کے دوست بن رہے ہیں۔ کیا اس کی وجہ سے ایسا ہو رہا ہے کہ قومیں اور قبیلے اسلام میں داخل ہو کر اسلام کی طاقت بن جائیں۔

ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ مسلمانوں کے خون کا سیلاب ایک سو سال سے بھی زیادہ مدت سے بہہ رہا ہے۔ مگر کوئی بھی شخص نہیں جس کی روح کو خون کے اس دریا نے پاک کیا ہو۔ کوئی ایک آدمی نہیں جو اس خون کی وجہ سے مسلمانوں کے دین میں داخل ہوا ہو۔ کوئی ایک قبیلہ نہیں جس نے مسلمانوں کے اس عمل کو دیکھ کر ایسا کیا ہو کہ وہ خدا کی نافرمانی کو چھوڑ کر خدا کا مومن و مسلم بن جائے

یہ فرق کیوں ہے۔ دور رسالت میں پانی نے جو نتیجہ دکھایا تھا، بعد کے دور میں خون بھی وہ نتیجہ

نہ دکھا سکا۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ رسول کا پانی محبت کا پانی تھا۔ اور موجودہ مسلمانوں کا خون نفرت کا خون ہے۔ رسول نے انسان کے اوپر معافی، خیر خواہی، شفقت اور مہربانی کی بارش برسائی تھی۔ اس کے برعکس آج کے مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ انسان کے اوپر نفرت اور غصہ اور اشتعال کا خون انڈیل رہے ہیں۔ یہی وہ فرق ہے جس نے دورِ اول کے عمل کا یہ نتیجہ پیدا کیا تھا کہ قومیں کی قومیں اور قبیلے کے قبیلے اسلام کے سایہ میں داخل ہوگئے۔ اسلام ساری دنیا کا سب سے زیادہ طاقتور اور سب سے زیادہ غالب دین بن گیا۔ اور موجودہ زمانہ میں اسلام ساری دنیا میں حقیر ہو رہا ہے، وہ ایک بلین مسلمانوں کے باوجود ساری دنیا میں کمزور اور مغلوب مذہب بنا ہوا ہے۔

ہر آدمی کے اندر پیدائشی طور پر دو مختلف صلاحیتیں ہیں۔ ایک نفس لوامہ (ضمیر) اور دوسرے نفسِ امارہ (انانیت)۔ یہ دونوں صلاحیتیں ابتدائی طور پر سوئی ہوئی حالت میں ہوتی ہیں۔ اب اگر آپ فریق ثانی کے نفسِ لوامہ کو جگائیں تو اس کی شخصیت کا انسانی جزء آپ کے حصہ میں آئے گا۔ اور اگر آپ فریق ثانی کے نفسِ امارہ کو جگائیں تو اس کی شخصیت کا حیوانی جزء آپ کے حصہ میں آئے گا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کوشش ہمیشہ یہ ہوتی تھی کہ آپ آدمی کے وجود کے انسانی حصہ کو جگائیں۔ اس لیے آپ نہ صرف اچھوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے بلکہ بروں کے ساتھ بھی آپ ہمیشہ اچھا سلوک کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے آدمی کی چھپی ہوئی فطرت جاگتی تھی۔ اور آخر کار وہ اسلام قبول کرکے آپ کا ساتھی بن جاتا تھا۔

موجودہ مسلمان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر عمل نہیں کرتے کہ بروں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو۔ وہ ہمیشہ ردِ عمل کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کا طریقہ صرف فریقِ ثانی کی انانیت کو جگانے کا باعث بنتا ہے۔ خدا کے بندوں کے لیے ان کے پاس "محبت کا پانی" نہیں، البتہ ان کے پاس "نفرت کا خون" کافی مقدار میں موجود ہے۔ جس کو وہ لوگوں کے اوپر انڈیلتے رہتے ہیں۔

ایسے لوگوں کو خدا کے اس باغ میں صرف کانٹے ملیں گے۔ وہ اس باغ کے پھولوں کے مالک نہیں بن سکتے۔ یہی قانونِ قدرت کا فیصلہ ہے۔

سائنس کی گواہی

ڈاکٹر مارس بوکائی (Dr Maurice Bucaille) فرانس کے ایک عیسائی خاندان میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے قرآن کے بارہ میں ایک کتاب لکھی۔ وہ اولاً فرانسیسی زبان میں ۱۹۷۶ میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد دس زبانوں میں اس کے ترجمے چھپے۔ انگریزی میں اس کتاب کا نام یہ ہے:

The Bible, the Qur'an and Science

اس کتاب میں ڈاکٹر مارس بوکائی نے دکھایا ہے کہ علم سائنس کے بارہ میں قرآن کے بیانات حیرت انگیز طور پر جدید تحقیقات کے مطابق ہیں۔ قرآن اگرچہ دور سائنس سے بہت پہلے پیش کیا گیا، مگر بعد کے زمانہ میں ظاہر ہونے والی علمی حقیقتوں کا اس میں بالکل صحیح بیان موجود ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ قرآن ایک برتر ذہن کی تخلیق ہے۔ وہ انسانی ذہن کی تصنیف نہیں (ملاحظہ ہو عظمت قرآن، اور اسلام اور عصر حاضر)

ڈاکٹر مارس بوکائی کی دوسری کتاب انسان کی پیدائش اور رحم مادر میں اس کے ارتقاء کے بارہ میں ہے جو کہ ڈاکٹر بوکائی کا خاص موضوع ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے دکھایا ہے کہ انسان کی پیدائش کے بارہ میں قرآن میں جو بیانات ہیں، وہ جدید تحقیقات کے عین مطابق ہیں، جب کہ ان تحقیقات کے نتائج صرف بیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں انسان کو معلوم ہو سکے ہیں۔

ڈاکٹر بوکائی کی اس دوسری کتاب کا فرانسیسی اڈیشن ۱۹۸۴ میں پیرس سے شائع ہوا۔ ۲۲۰ صفحات پر مشتمل اس کتاب کے انگریزی اڈیشن کا نام یہ ہے:

What is the Origin of Man?
Published by Seghers, 6 Place Saint-Sulpice,
75006 Paris

ڈاکٹر مارس بوکائی اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ مجھے فرانس میں یہ بتایا گیا تھا کہ قرآن محمد کی کتاب ہے۔ انھوں نے اس کو بائبل سے کچھ گھٹا کر یا بڑھا کر تیار کر لیا ہے۔ اپنے اس ذہن کی بنا پر میں قدرتی طور پر یہ سمجھتا تھا کہ بائبل کے اندر جو علمی غلطیاں (scientific errors) ہیں، وہ لازماً قرآن کے اندر بھی ہونی چاہئیں (۱۵۷)

مزید یہ کہ محمد کے الہام کا زمانہ ۶۱۰ء سے لے کر ۶۳۲ء تک ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ مشرق و مغرب میں ہر طرف علمی تاریک خیالی (scientific obscurantism) کا ذہن چھایا ہوا تھا۔ اس لحاظ سے یہ بھی ہونا چاہئے کہ اس تاریک علمی دور کے اثرات ان کی کتاب میں پائے جارہے ہوں۔

مگر بعض تجربات کے دوران انھیں معلوم ہوا کہ قرآن کے بیانات اور بائبل کے بیانات میں اگرچہ کئی باتیں مشترک ہیں مگر قرآن حیرت انگیز طور پر اس قسم کی باتوں کا ذکر کرتے ہوئے ان علمی غلطیوں کو حذف کر دیتا ہے جو موجودہ بائبل میں پائی جاتی ہیں۔ اب ان کا تجسس بڑھا۔ یہاں تک کہ قرآن کو براہ راست اس کی اپنی زبان میں سمجھنے کے لئے انھوں نے پچاس سال کی عمر میں عربی زبان سیکھنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد جب انھوں نے قرآن کو براہ راست پڑھا تو انھوں نے حیرت انگیز طور پر پایا کہ بائبل ایک طرف علمی غلطیوں سے بھری ہوئی ہے۔ مگر دوسری طرف قرآن کا حال یہ ہے کہ وہ علمی غلطیوں سے یکسر خالی ہے۔

اگر قرآن محمدؐ کی کتاب ہو اور انھوں نے اس کو بائبل اور وقت کی معلومات کی مدد سے مرتب کیا ہو تو کیا وجہ ہے کہ قرآن میں وہ تمام علمی غلطیاں حذف ہیں جو بائبل میں یا محمدؐ کے زمانہ میں پائی جارہی تھیں۔ مثلاً بائبل میں انسان کے ظہور کی جو تاریخ دی گئی ہے اس کے لحاظ سے ۱۹۸۱ کے حساب کے مطابق، زمین پر انسان کا ظہور پہلی بار ۵۷۴۲ سال پہلے ہوا۔ مگر اس قسم کی بے معنی غلطیاں قرآن میں بالکل نہیں پائی جاتیں (صفحہ ۱۵)

بائبل میں کثرت سے علمی غلطیاں ہیں۔ وہ اتنی واضح ہیں کہ ان کا انکار ممکن نہیں۔ جین گوٹن (Jean Guitton) نے اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بائبل کی علمی غلطیاں انسانی غلطیاں ہیں۔ کیوں کہ اس وقت انسان ایک بچہ کی مانند تھا، اور اس بنا پر وہ علمی حقائق سے بے خبر تھا:

> The scientific errors in the Bible are the errors of mankind, for long ago man was like a child, as yet ignorant of science (p. 152).

ایسی حالت میں محمدؐ کے لئے کیسے ممکن ہوا کہ وہ قرآن کو مرتب کرتے ہوئے بائبل کی یا اپنے زمانہ کی غلطیوں کو قرآن سے حذف کر دیں۔ وہ ایسی کتاب تیار کریں جس میں استثنائی طور پر کوئی بھی علمی غلطی موجود نہ ہو (۱۶۰) مصنف یہ کہتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ قرآن محمد کی کتاب نہیں وہ

ایک ماورائے انسانی ذہن کی تخلیق ہے۔ علم کی تاریخ ہم کو اس نتیجہ تک پہنچاتی ہے کہ قرآن میں اس قسم کی آیتوں کی موجودگی کی کوئی انسانی توجیہہ ممکن نہیں:

The history of science leads us to conclude that there can be no human explanation for the existence of these verses in the Qur'ān (p. 188).

قرآن کا یہ استدلالی پہلو قرآن کی اس آیت کی تصدیق ہے جو چودہ سو سال پہلے قرآن میں شامل کی گئی تھی ــــــ ہم ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے، آفاق میں بھی اور خود لوگوں کے اندر بھی، یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ قرآن حق ہے۔ اور کیا یہ بات کافی نہیں کہ تیرا رب ہر چیز پر گواہ ہے (حم السجدہ ۵۳)

جو لوگ قرآن کو خدا کی کتاب ماننے کے لئے اس کی سائنسی دلیل چاہتے ہیں، ان کو ڈاکٹر ماریس بوکائی کی مذکورہ دونوں کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

قرآن فنی معنوں میں سائنس کی کتاب نہیں۔ مگر قرآن جن عقائد کو ماننے کی دعوت دیتا ہے، اس کے لئے وہ فطرت کی نشانیوں کو بطور دلیل پیش کرتا ہے۔ یہ فطرت کی نشانیاں کیا ہیں، یہ وہی نیچر ہے جس کا مطالعہ سائنس میں کیا جاتا ہے۔

نیچر قرآن کا موضوع بھی ہے اور سائنس کا موضوع بھی۔ البتہ دونوں میں یہ فرق ہے کہ قرآن میں فطرت کے بعض پہلوؤں کا ذکر بطور دلیل آیا ہے۔ جب کہ سائنس میں فطرت کا مطالعہ مستقل فن کی حیثیت سے کیا جاتا ہے۔ مگر قرآن میں جہاں کہیں بھی نیچر کا کوئی حوالہ ہے، وہ بعد کی سائنسی تحقیقات کے مطابق ہے۔ اس مطابقت کی کوئی بھی توجیہہ اس کے سوا نہیں کی جا سکتی کہ قرآن کو اس خدا کی کتاب مانا جائے جو تمام کھلی اور چھپی باتوں کو جانتا ہے، جس کا علم بیک وقت ماضی، حال اور مستقبل کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

عمل کے نام پر بے عملی

شیخ محمد اکرام (آئی سی ایس) کی کتاب "موج کوثر" ۳۶۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں انیسویں صدی کے آغاز سے لے کر ۱۹۴۷ تک کی مسلم تحریکوں اور رہنماؤں کا ذکر ہے۔ اس کے ایک باب کا عنوان ہے " دور ردعمل کی خصوصیات " اس باب کے تحت وہ لکھتے ہیں:

" دور ردعمل میں " پدرم سلطان بود " اور " ہمچو ما دیگرے نیست " کی آوازیں جس طرح بلند ہوئیں، اس پر دیدہ ور لوگوں نے کان کھڑے کئے اور آنکھیں دکھائیں۔ علامہ شبلی نے، جب وہ ابھی علی گڑھ سے وابستہ تھے اور سرسید کے رفیق کار تھے، اُن خدشات کو بڑے لطف سے نظم کیا جو سلف پرستی سے پیدا ہونے والے تھے:

سلف کا تذکرہ جو ہمت و غیرت کا ہے افسوں
ہمارے حق میں وہ سرمایۂ خواب پریشاں ہے
یہ افسانے بڑھاتے ہیں ہماری نیند کی شدت
یہ افسوں حق میں اپنے اور مدہوشی کا ساماں ہے
ہمیں احساس تک ہوتا نہیں اپنی تباہی کا
کہ سب پیش نظر اسلاف کی وہ شوکت و شاں ہے
ہماری کلفتیں سب دور ہو جاتی ہیں یہ سن کر
کہ دنیا آج تک اسلام کی ممنونِ احساں ہے
مزے لیتے ہیں پہروں تک کسی سے جب یہ سنتے ہیں
کہ یورپ دولتِ عباس کا اب تک ثنا خواں ہے
نہیں رہنے کو یاں گھر تک، اگر چہ یہ رہتے ہیں
کہ اب تک قصرِ حمرا قبلہ گاہِ رہ نورداں ہے
ہیں خود اَن پڑھ، مگر اس زعم میں اترائے پھرتے ہیں
کہ دنیا میں ہمیں سے زندہ اب تک نامِ یوناں ہے
نظر آتے ہیں ہم کو عیب اپنے خوبیاں بن کر
ہم اپنے جہل کو بھی یہ سمجھتے ہیں کہ عرفاں ہے

نواب عماد الملک بلگرامی نے بھی اس کے چند سال بعد علی گڑھ ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں کہا:

ہم مسلمانوں میں آج کل ایک نیا مرض شائع ہو گیا ہے۔ جس کو اسلاف پرستی کہتے ہیں ... ان حضرات نے آفت برپا کر دی ہے۔ کوئی مسلمانوں کی علمی دولت کو شمار کرتا ہے۔ کوئی تمدنی خوبیاں گنتا ہے۔ کوئی ہمارے مدارس اور یونیورسٹیوں کی فہرست تیار کرتا ہے۔ کوئی ہماری یونانی کتابوں کے ترجموں کا حساب دیتا ہے۔ کوئی اندلس کی حکومت کا زور دکھاتا ہے۔ کوئی ہارون اور مامون کی شان بیان کرتا ہے۔ اس میں شک

یں کہ اسلاف پرستی بہت عمدہ شیوہ ہے مگر اسی حد تک کہ ہم اپنے بزرگوں کی محنت، ان کی یک رنگی، ن کی نفس کشی کی تقلید کریں اور ان کا سا صبر و استقلال، ان کا سا انہماک طلب علم میں پیدا کریں۔۔۔ یہ کہ ہمارے بزرگوار جو کچھ اپنے وقت میں کر گئے تھے، ان پر غرہ کریں اور مثل زنِ بیوہ کے ان کے نام بیٹھ رہیں اور ان کی علمی بزرگیوں کا تذکرہ دوسروں سے سن کر زمانہ حال کی دولتِ علمی کو حقیر سمجھیں اور اس کے دریافت سے اغماض کریں" (موج کوثر ۸۳ - ۲۸۲)

اس زمانہ میں مسلمانوں کے احیاء نو کی سب سے زیادہ آسان تدبیر یہ سمجھ لی گئی تھی کہ ماضی کی شاندار تاریخ کو یاد دلا کر لوگوں میں حال کا ولولہ پیدا کیا جائے۔ یہ مزاج اتنا بڑھا کہ خود مولانا شبلی نعمانی اس کا شکار ہو گئے جنھوں نے ابتدائی طور پر اس کے خلاف اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔ چنانچہ بعد کے زمانہ میں انھوں نے خود بھی یہی کیا کہ دور فتوحات کے کارنامے بتا کر مسلمانوں میں جوشِ عمل پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگے۔

مگر یہ طریقہ سراسر بے فائدہ تھا۔ اس تدبیر میں بنیادی خامی یہ تھی کہ وہ "تیاری" کے دور کو حذف کرکے صرف "نتیجہ" کے دور کو نمایاں کر رہا تھا۔ وہ ابتدائی جد و جہد کو چھوڑ کر آخری منزل سے اپنے سفر کا آغاز کرنا چاہتا تھا۔ ایسا سفر اس اسباب کی دنیا میں کبھی شروع نہیں ہوتا۔ چنانچہ سو سال کے پر جوش لفظی ہنگاموں کے باوجود وہ شروع بھی نہ ہو سکا، اور منزل پر پہنچنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔

اس قسم کی تحریکیں آدمی کے اندر صرف فخر کا جذبہ ابھارتی ہیں۔ حالاں کہ احیاء نو کے لئے اصل ضرورت یہ ہے کہ لوگوں کے اندر عمل کا جذبہ ابھارا جائے۔ اس طرح یہ طریقہ ہمیشہ الٹا نتیجہ پیدا کرنے والا ہوتا ہے۔ اور ایسا ہی وہ ہمارے حق میں ثابت ہوا۔ مسلمان فرضی بھرم میں مبتلا ہو کر ایک ایسی قوم بن گئے جس کے پاس الفاظ کی دھوم تو بہت ہے مگر حقیقی عمل کا سرمایہ اس کے پاس موجود نہیں۔

احیاءقلب ، احیاءحکومت

انسانوں کے اندر جب بھی بگاڑ آتا ہے تو اس کی جڑ ہمیشہ قلب میں ہوتی ہے۔ قلب کے بگاڑ سے زندگیاں بگڑ جاتی ہیں۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ کیا لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ ان کے قلب ہوتے جن سے وہ سمجھتے یا ان کے کان ہوتے جن سے وہ سنتے۔ کیوں کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ قلب اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں (الحج ۴۶)

یہی بات حدیث میں ان الفاظ میں بتائی گئی ہے کہ سن لو کہ انسانی جسم کے اندر گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ جب وہ درست ہو تو پورا جسم درست رہتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے ، اور وہ قلب ہے (اَلَا وَ اِنّ فی الجسدِ مُضغَۃً اذا اصَلَحَتْ صَلَحَ الجَسَدُ کُلُّہ و اذا افسدَتْ فَسَدَ الجسدُ کُلُّہ اَلَا وَھِیَ القلبُ (متفق علیہ)

جب ہر قسم کے انسانی بگاڑ کا سرچشمہ قلب ہے تو ہر بگاڑ کے موقع پر ہمیشہ اصلاح کا آغاز قلب کی اصلاح سے ہونا چاہئے۔ اس سلسلہ میں قرآن کی اس آیت کا مطالعہ کیجئے :

کیا ایمان والوں کے لئے وقت نہیں آیا کہ ان کے قلب اللہ کی نصیحت کے آگے جھک جائیں۔ اور اس حق کے آگے جو نازل ہوا ہے۔ اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو پہلے آسمانی کتاب دی گئی تھی ، پھر ان پر لمبی مدت گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے ، اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔ جان لو کہ اللہ زمین کو زندگی دیتا ہے اس کی موت کے بعد۔ ہم نے تمہارے لئے نشانیاں بیان کر دی ہیں تاکہ تم سمجھو (الحدید ۱۶ - ۱۷)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قوموں پر لمبی مدت (طول امد) گزرنے سے افراد کے قلوب میں سختی (قساوت) آجاتی ہے۔ اس سے ان کے اندر باتوں کو سمجھنے اور اس سے اثر لینے کا مادہ ختم ہوجاتا ہے۔ جب کسی قوم کا یہ حال ہو جائے تو اس وقت کیا کرنا چاہئے، اس کو زمین کی مثال کے ذریعہ بتایا گیا ہے۔

جو زمین خراب ہو جائے ، اس میں کام کا آغاز فصل بونے سے نہیں کیا جاتا ، بلکہ زمین تیار کرنے سے کیا جاتا ہے۔ ایسی زمین سے پہلے اینٹ پتھر اور جھاڑ جھنکار صاف کیا جاتا ہے۔ اس کو ہموار کیا جاتا ہے۔ اس کی جتائی کر کے اس کو زرخیز بنایا جاتا ہے۔ پانی اور کھاد کا انتظام

کیا جاتا ہے۔

جب یہ سب کام ہو جائے، اس وقت زمین پیداوار کے لئے صالح ہو جاتی ہے۔ اب کسان اس زمین میں بیج ڈالتا ہے۔ جو کسان اس طرح زرعی عمل کرے، وہی اپنی زمین سے عمدہ فصل حاصل کرتا ہے۔ اس کے برعکس جو کسان زمین کی تیاری سے پہلے اس میں دانہ بکھیر دے، وہ دانہ بکھیرنے کے باوجود اپنی زمین سے عمدہ فصل حاصل نہ کر سکے گا۔ کیوں کہ عمدہ فصل ہمیشہ تیار کی ہوئی زمین سے اگتی ہے نہ کہ غیر تیار شدہ زمین سے۔

قرآن کی یہ آیت اس بارہ میں قاطع حیثیت رکھتی ہے کہ کسی قوم پر جب تنزل کا دور آجائے تو اس کو دوبارہ اٹھانے کے لئے کیا کرنا چاہئے۔ ایسی حالت میں وہی کرنا چاہئے جو مردہ (خراب) زمین پر کسان کرتا ہے۔ یعنی فصل بونے سے پہلے زمین تیار کرنا۔

اس قرآنی اصول کی روشنی میں موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کے معاملہ کو سمجھئے۔ موجودہ زمانہ میں مسلمان زوال کا شکار ہوئے۔ ان کی حکومتیں ختم ہو گئیں۔ قوموں کے درمیان ان کی عظمت باقی نہیں رہی۔ ماضی کے غالب لوگ حال کے مغلوب لوگ بن گئے۔

قرآن کے مذکورہ اصول کے مطابق، اب مسلمانوں کو دوبارہ اٹھانے کا کام احیاء قلب سے شروع ہونا چاہئے تھا نہ کہ احیاء حکومت سے۔ مگر موجودہ زمانہ میں جو مسلم رہنما اٹھے، انھوں نے تقریباً بلا استثناء یہ کیا کہ احیاء حکومت کے نعرہ سے اپنے کام کا آغاز کر دیا۔ قلب کی سطح پر قوم کو زندہ کرنے کی کوشش انھوں نے نہیں کی۔ ہر ایک نے یہ کیا کہ حکومت کی سطح پر کوشش کر کے قوم کی نشاۃ ثانیہ کا خواب دیکھنے لگا۔

خلافت تحریک، آزادی کی تحریک، تقسیم ملک کی تحریک، اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔ دوسری تحریکیں بھی کم و بیش اسی خانہ میں جاتی ہیں۔ ان میں نام کے اعتبار سے یا الفاظ کے استعمال کے اعتبار سے بظاہر فرق نظر آتا ہے۔ مگر حقیقت کے اعتبار سے ایک اور دوسرے کے درمیان کوئی بنیادی فرق نہیں۔

اس غلطی کے نتیجہ میں مسلم رہنماؤں کا حال اس معمار کا ہوا جو ٹوٹے کھمبوں اور بوسیدہ دیواروں کے اوپر چھت کھڑی کرنے کی کوشش کرے۔ ایسی چھت کبھی قائم نہیں ہو سکتی اور نہ ایسا گھر

کبھی بن سکتا۔ ایسے گھر میں تعمیر کا آغاز کھمبوں اور دیواروں کی مضبوطی سے ہوگا نہ کہ چھت کا ڈھا
کھڑا کرنے سے۔

ماضی کی اس غلطی کی واحد تلافی یہ ہے کہ غلطی کا اعتراف کیا جائے۔ اور حال میں وہ کام
شروع کر دیا جائے جو ماضی میں نہ ہو سکا۔ یعنی احیاء حکومت پر نظریں جمانے کے بجائے احیاء
قلب پر اپنی ساری طاقت صرف کرنا۔ اس کے سوا ہر سرگرمی صرف وقت کا ضیاع ہے، اس کے
سوا اور کچھ نہیں۔

اس وقت تمام کاموں سے زیادہ ضروری کام یہ ہے کہ مسلمان عمل اور نتیجہ کے فرق کو سمجھیں۔
اس دنیا میں جب بھی کوئی شخص کسی نتیجہ کو پاتا ہے تو وہ اس کے موافق ضروری عمل کرنے کے بعد اسے پاتا
ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص عمل کو حذف کر کے اچانک اپنے مطلوبہ نتیجہ کو پالے۔ ایسا کبھی کسی کے لئے
نہیں ہوا، اور نہ آج وہ کسی کے لیے ہو سکتا ہے۔

مزید یہ کہ عمل محض حرکت کا نام نہیں ہے، بلکہ صحیح حرکت کا نام ہے۔ جو نتیجہ مطلوب ہو، اس کے
مطابق ایک درست عمل ہوتا ہے۔ اس درست عمل کو اس کے تمام تقاضوں کے تحت انجام دینا پڑتا ہے
اس ابتدائی مرحلہ کو اس کی تمام ضروری شرائط کے ساتھ گزارنے کے بعد ہی وہ وقت آتا ہے
کہ آدمی اپنے مطلوب نتیجہ کو پائے۔

ضروری عمل کے بغیر نتیجہ کو پانے کے لئے دوڑنا ایک بے معنی اچھل کود ہے۔ اس کا کوئی نتیجہ کسی کے
حق میں نکلنے والا نہیں، خواہ اس نے اپنی اچھل کود کو اسلام کا خوبصورت نام کیوں نہ دے رکھا ہو۔

ایک سفر

ایک بین اقوامی اسلامی کانفرنس میں شرکت کے لئے مارچ ۱۹۹۰ میں ایک سفر ہوا۔ مہینہ کے آخر میں دوبارہ دہلی واپسی ہوئی۔

۱۷ مارچ کو فجر سے پہلے گھر سے ایرپورٹ جانے کے لئے نکلا تو ایک حدیث یاد آگئی جس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ جس آدمی کو اندیشہ ہوتا ہے وہ صبح سویرے سفر کے لئے نکلتا ہے۔ اور جو آدمی سویرے سفر کے لئے نکلتا ہے وہی اپنی منزل پر پہنچتا ہے (مشکاۃ المصابیح الجزء الثالث، صفحہ ۱۴۶۹)

حدیث میں ادلاج کا لفظ ہے جس کے معنی رات کے آخری حصہ میں یا صبح کے اندھیرے میں سفر کے لئے نکلنا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب آغاز سفر میں جلد روانگی کا اہتمام کرنا ہے تاکہ سفر کامیابی کے ساتھ طے ہو سکے۔ یہی معاملہ آخرت کے سفر کا بھی ہے۔ آخرت کے سفر میں کامیابی کے ساتھ منزل پر پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے تقاضوں کو سمجھ کر اس کا پورا اہتمام کیا جائے۔

دہلی سے جہاز کی روانگی کا وقت صبح ساڑھے چھ بجے تھا۔ فجر سے پہلے گھر سے روانہ ہوا۔ راستہ میں لال بتی پر گاڑی رکی تو مجھے قرآن کی آیت وقفوھم انھم مسئولون (الصافات ۲۴) یاد آگئی۔ آخرت میں وہی شخص پار ہوگا جس کو روکا نہ جائے۔ جس آدمی کو جانچ کے لئے روکا گیا وہ ہلاک ہوا۔

میرے بڑے بھائی عبدالعزیز خاں صاحب مرحوم نے ایک بار ایک ٹرک خریدا۔ جلد ہی بعد انھوں نے اس کو بیچ دیا۔ انھوں نے بتایا کہ ٹرک کے بارہ میں حکومت نے اتنے زیادہ قانون اور قاعدے بنا رکھے ہیں کہ اس کا پکڑے سے بچنا سخت مشکل ہے۔ پولیس والوں نے جس ٹرک کو جانچ کے لئے روکا اس کا چالان ہونا لازمی ہے۔ آخرت میں ٹکنکل قسم کے ضابطوں پر تو کسی کی پکڑ ہونے والی نہیں ہے۔ البتہ عمل کے خالص پن (purity) پر ضرور وہاں جانچ ہوگی۔ جس آدمی کا عمل خالص اللہ کے لئے ہو وہ بچے گا اور جس آدمی کا عمل خالص اللہ کے لئے نہ ہو، اس کے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔

ایرپورٹ کے اندر امیگریشن پر بڑی لمبی لائن تھی۔ کھڑے کھڑے طبیعت گھبرا اٹھی۔ میں

نے سوچا کہ آخرت میں اگر کوئی اور سزا نہ ہو، صرف اتنا ہو کہ کروڑوں انسانوں کی قطار کے درمیان تیز سورج میں کھڑا کر دیا جائے تو آدمی کا کیا حال ہوگا۔

دہلی سے ۱۰ مارچ ۱۹۹۰ کی صبح کو اردن ایر لائنز (فلائٹ ۱۹۳) کے ذریعہ روانگی ہوئی۔ وقت پر جہاز کا گیٹ بند ہو گیا اور جہاز اپنا پر پھیلائے ہوئے رن وے پر چلنے لگا۔ اتنے میں کچھ ہندستانی مسافروں نے جہاز کے عملہ سے بحث شروع کر دی۔ ان کا کہنا تھا کہ ہماری فیملی کا ایک آدمی باہر رہ گیا ہے اور ہمارا ٹکٹ اسی کے پاس ہے۔ کچھ دیر کی بحث کے بعد آخر کار جہاز دوبارہ گیٹ کی طرف واپس روانہ ہوا۔ آدمی کو تلاش کر کے اس کو دوبارہ اندر لا کر بٹھایا گیا۔ اس کے نتیجہ میں جہاز تقریباً دو گھنٹہ لیٹ ہو گیا۔

یہ سطحیت اور نادانی کی ایک مثال ہے۔ اس قسم کی سطحیت اگر ایک آدمی اپنی ذاتی زندگی میں کرے تو وہ حماقت ہے، وہ جرم نہیں ہے۔ مگر اجتماعی زندگی میں اس طرح کی سطحیت ایک سنگین جرم بن جاتی ہے۔ کیوں کہ اجتماعی زندگی میں ایسی سطحی حرکت کی سزا پوری قوم کو بھگتنی پڑتی ہے۔

جہاز کے اندر امریکی میگزین نیوز ویک (۱۲ مارچ ۱۹۹۰) دیکھنے کا موقع ملا۔ اس کے صفحہ ۵۰ پر ایک فرانسیسی خاتون گروٹ (Groult) کی کتاب پر تبصرہ تھا۔ اس میں کتاب کے حوالہ سے بتایا گیا تھا کہ فرانس میں تحریک نسواں (Feminism) مایوسی کے دور سے گزر رہی ہے۔ مثلاً کتابوں کے ناشرین نے تحریک نسواں کے متعلق لٹریچر چھاپنا بند کر دیا ہے، کیوں کہ اس کی فروخت میں بہت کمی آگئی ہے:

Publishers have stopped printing feminist literature because of poor sales.

فرانس میں تحریک نسواں کی مشہور خاتون لیڈر بیور (Simone de Beauvoir) چار سال پہلے مرگئیں۔ ان کے بعد کوئی خاتون لیڈر ابھر نہ سکی۔ فرانس کی تحریک نسواں کو زندہ رہنے کے لئے ایک لیڈر کی تلاش ہے۔ ایک فرانسیسی خاتون نے اس صورت حال پر طنز کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے ملک کی عورتیں ایک غالب شوہر سے دور بھاگ سکی ہوں گی، مگر آخری چیز جو وہ چاہتی ہیں وہ دوسرا غالب ہے:

They may have escaped from a domineering husband and the last thing they want is another dominator.

مرد کو اللہ تعالیٰ نے فعال صفات کے ساتھ پیدا کیا ہے اور عورت کو منفعل صفات کے ساتھ۔ دونوں صنفوں کے فریضۂ حیات کے اعتبار سے یہی فطری تقسیم ہے۔ مغرب میں اس تقسیم کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔ مگر آخر کار فطرت غالب آئی۔ انسان کے خود ساختہ نظریات بے حقیقت ہو کر رہ گئے۔

جہاز میں ایک صاحب آکر میرے قریب کی خالی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ عملہ کے ایک آدمی نے ان کے بورڈنگ کارڈ کو دیکھ کر کہا کہ یہ اوپر کا درجہ ہے، آپ کا ٹکٹ اکانومی کلاس کا ہے۔ اس لئے آپ پیچھے کی سیٹ پر جائیں۔ وہ صاحب نہایت اطمینان کے ساتھ اپنی سیٹ پر بیٹھے رہے۔ دیر تک بحث کرنے کے بعد آخر کار وہ اٹھے اور جہاز کے آدمی کو برا بھلا کہتے ہوئے دوسرے درجہ میں چلے گئے۔ موجودہ سیٹ پر بیٹھنے کے لئے ان کی دلیل یہ تھی کہ وہاں تو کوئی شخص بیٹھا ہوا نہیں ہے:

Nobody is sitting here.

مسافر کو معلوم نہ تھا کہ اس دنیا میں کوئی سیٹ آدمی کو اس لئے نہیں ملتی کہ وہ خالی ہے۔ یہاں کوئی سیٹ آدمی کو ملتی ہے تو اس لئے ملتی ہے کہ اس نے اس کی ضروری قیمت ادا کی ہے۔ جہاں دوسرے لوگ قیمت ادا کر کے بیٹھے ہیں وہاں آپ قیمت ادا کئے بغیر اپنے لئے نشست نہیں پا سکتے۔ یہ زندگی کی ایک سادہ حقیقت ہے۔ مگر بہت سے لوگ اس سادہ حقیقت کو نہیں جانتے۔

مارچ ۱۹۹۰ کی ۱۷ تاریخ ہے۔ گھڑی میں دن کے ایک بجے ہیں۔ ہمارا جہاز تقریباً ۳۰ ہزار فٹ کی بلندی پر اڑ رہا ہے۔ میں نے جہاز کی کھڑکی کے باہر دیکھا تو سورج کی تیز روشنی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ جہاز کے نیچے گہرے بادلوں کی تہیں دکھائی دے رہی تھیں۔ اس وقت اگر آپ نیچے زمین کی سطح پر کھڑے ہوئے ہوں تو آپ کو اپنے چاروں طرف اندھیرا پھیلا ہوا نظر آئے گا۔ مگر عین اسی وقت بادلوں کے اوپر مکمل سورج اپنی پوری تابانی کے ساتھ چمک رہا تھا۔

میں نے سوچا کہ اسی طرح زندگی کے مطالعہ کی بھی دو سطحیں ہیں۔ زندگی کے معاملہ کو ایک رخ سے دیکھئے تو آپ کو اپنے ماحول میں ہر طرف مشکلات کے اندھیرے پھیلے ہوئے دکھائی دیں گے۔ مگر ٹھیک اس وقت ایک اور سطح موجود ہوتی ہے، اگر آپ اس دوسری سطح سے دیکھیں تو زندگی روشن امکانات سے بھری ہوئی دکھائی دینے لگے گی۔

مثال کے طور پر جو لوگ آج مسلمانوں کے معاملہ کو مادی اور سیاسی اعتبار سے دیکھتے ہیں ان کو

مسلمان ہر طرف مشکلات و مسائل سے گھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لیکن اگر ان کے معاملہ کو دعوتی امکانات کے نقطۂ نظر سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کے لئے آج کی دنیا میں دعوت کے نئے شاندار مواقع کھل گئے ہیں جن کو استعمال کرکے وہ اسلام کا نیا مستقبل بنا سکتے ہیں، اور اسی کے ساتھ خود اپنا مستقبل بھی۔ ایک زاویۂ نگاہ سے دیکھنے میں مسلمان تاریخ کا معمول نظر آتے ہیں۔ مگر دوسرے زاویۂ نگاہ سے دیکھئے تو مسلمان تاریخ کا عامل بننے کے مقام پر کھڑے ہوئے نظر آئیں گے۔

چھ گھنٹہ کی مسلسل پرواز کے بعد جہاز کے اناؤنسر نے اپنے اعلان میں بتایا کہ سوف تھبط الطائرۃ (جلد ہی جہاز زمین پر اترے گا) اس جہاز کے کیپٹن (قائد الطیارۃ) ایک عرب عصام الناصر تھے۔ جہاز ایرپورٹ کے علاقہ میں داخل ہوا تو میں نے سوچا کہ دیکھوں وہ جہاز کو کس طرح اتارتے ہیں۔ کیوں کہ جہاز میں سب سے زیادہ مشکل کام لینڈنگ ہوتا ہے۔ بعض پائلٹ جہاز کو اس طرح اتارتے ہیں جیسے اس کو زمین پر گرادیا جائے۔ مگر عصام الناصر نے جہاز کو اس طرح اتارا کہ کوئی جھٹکا نہیں لگا اور جہاز تقریباً غیر محسوس طور پر زمین پر اتر کر دوڑنے لگا۔

ایران ـ عراق جنگ نے عرب ملکوں کی مالیات کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ مگر اس نقصان میں فائدے کے بھی کچھ پہلو ہیں۔ اس نے انھیں جگادیا ہے۔ وہ اپنے نوجوانوں کو ہر قسم کی اعلیٰ تربیت دے رہے ہیں۔ تاکہ وہ بیرونی ملکوں کے ماہرین سے مستغنی ہوسکیں۔

عمان ایئرپورٹ ایک چھوٹا ایئرپورٹ ہے مگر خوبصورت ہے۔ اس کا نام مطار الملكة علياء الدولی (Queen Alia International Airport) ہے۔ اسی طرح دہلی کے ہوائی اڈہ کا نام اندرا گاندھی انٹرنیشنل ایئرپورٹ ہے۔ مجھے ذاتی طور پر اس طرح کا نام پسند نہیں۔ ہوائی اڈوں کے نام سادہ طور پر دہلی ایئرپورٹ یا عمان ایئرپورٹ ہونے چاہئیں۔

اردن ایک چھوٹا ملک ہے۔ اردن ایئرلائن بھی ایک چھوٹی ایئرلائن ہے، مگر اس کی ہر چیز ایئرانڈیا سے بہتر نظر آئی۔ اس کا راز یہ نہیں ہے کہ اردن، ہندستان کے مقابلہ میں زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ اس کا ایک سبب یہ ہے کہ اردن کی ہر چیز مغربی ملکوں سے آئی ہوئی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہاں وہ کرپشن نہیں ہے جو موجودہ ہندستان کی سب سے بڑی خصوصیت بن چکا ہے۔

ہندستان ٹائمس (۱۲ اگست ۱۹۸۶) کے صفحۂ اول پر ایک روسی جہاز کی تصویر نمایاں طور پر چھپی

ہوئی تھی۔ اس تصویر کے نیچے حسب ذیل الفاظ درج تھے :

Prime Minister Rajiv Gandhi returned on a Soviet plane following engine trouble in the Air-India aircraft in which he left Prague for Delhi.

وزیر اعظم راجیو گاندھی ایک روسی جہاز سے واپس آئے۔ کیوں کہ ایئر انڈیا کے جہاز کے انجن میں خرابی پیدا ہوگئی تھی جس میں وہ پراگ سے دہلی کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ اس کے بعد اس واقعہ پر تبصرے شروع ہوئے۔ ہندستان ٹائمس (۱۸ اگست ۱۹۸۶) صفحہ ۸ پر ایک تبصرہ میں کہا گیا تھا :

On one trip abroad the air-conditioning in the Prime Minister's plane fails. On another occasion something else in his aricraft fails and he is stuck on foreign soil for three hours. Now, due to a threat of fire in one engine his plane is diverted to Moscow and he returns home in a soviet aircraft. Is that the standard of maintenance of Air India?

ایک بیرونی سفر میں وزیر اعظم کے جہاز میں ایئر کنڈیشننگ کا نظام خراب ہوگیا۔ ایک اور موقع پر ان کے جہاز میں کوئی اور خرابی پیدا ہوگئی اور وہ ایک بیرونی سرزمین میں تین گھنٹے کے لئے رکنے پر مجبور ہوگئے۔ اب ان کے جہاز کے ایک انجن میں آگ لگنے کا خطرہ پیدا ہوا اور وہ ماسکو کی طرف موڑ دیا گیا اور وزیر اعظم ایک روسی جہاز میں دہلی واپس آئے۔ کیا ایئر انڈیا میں کارکردگی کا معیار یہی ہے۔

میرا تجربہ ہے کہ بہت سے چھوٹے ملکوں کا معیار کارکردگی ہندستان سے نمایاں طور پر بہتر ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ان ملکوں میں وہ کرپشن نہیں جو آج ہندستان کے ہر شعبہ میں آخری حد تک سرایت کر گیا ہے۔

اردن ایک چھوٹا ملک ہے۔ ۱۹۶۷ کی جنگ میں اس کے رقبہ کا ۶ فی صد حصہ اسرائیل کے قبضہ میں چلا گیا۔ یہ ۶ فی صد حصہ اردن کی زرعی زمین کا ۵۰ فیصد حصہ تھا۔ عمان اردن کی راجدھانی ہے اور ملک کا سب سے بڑا شہر ہے۔ پورا شہر پہاڑیوں پر آباد ہے۔ یہ ایک تاریخی شہر ہے۔ یہاں قبل مسیح زمانہ کے آثار اب تک کھنڈر کی صورت میں موجود ہیں۔ ۶۳۵ء میں یزید بن ابی سفیان نے عمان کو فتح کر کے اس کو اسلامی مملکت میں شامل کیا تھا۔

اردن کے علاقہ میں تاریخی آثار بہت ہیں۔ مثلاً اسی ملک میں بطرا (Petra) اور جراش واقع ہیں۔ یہاں قدیم سلطنتوں کے چھوڑے ہوئے نشانات پائے جاتے ہیں۔ ایک سیاح کے لئے یہ مقامات صرف تفریح کے مقامات ہیں۔ مگر مومن کی نگاہ سے دیکھا جائے تو وہ عبرت اور نصیحت میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یہی بات قرآن میں ان الفاظ میں کہی گئی ہے: قل سیروا فی الارض ثم انظروا کیف کان عاقبة المکذبین (الانعام)

اردن کے ایک میگزین میں ایک اشتہار دیکھا۔ اس میں عالمی سیاحوں کو ترغیب دلائی گئی تھی کہ وہ اردن آئیں اور یہاں کے تاریخی مناظر دیکھیں۔ اس کا عنوان تھا:

Discover Jordan: the jewel of the Middle East

اس مضمون میں سیاحوں کو متوجہ کرنے کے لئے خاص طور پر بطرہ کے سنگی مکانات کی تصویریں دی گئی تھیں۔ قدیم زمانہ میں سنگ تراشی کی ایک صنعت پیدا ہوئی۔ اس کے تحت پہاڑوں کو تراش کر انھیں مکان کی صورت میں تبدیل کر دیا جاتا تھا۔ بطرہ میں اسی قسم کی عمارتیں ہیں۔ ایلورا اور اجنتا بھی اسی قسم کی سنگ تراشی کے نمونے ہیں۔

ایک عرب قبیلہ نے یہاں ایک سلطنت قائم کی تھی جن کو نبطی (Nabataeans) کہا جاتا ہے۔ یہ ۳۱۲ ق م کا واقعہ ہے۔ یہاں انھوں نے پہاڑوں کو تراش کر خوبصورت مکانات بنائے اور اس کو اپنی راجدھانی قرار دیا۔ رومیوں نے اس کو ۱۰۶ء میں فتح کیا۔ ۶۳۵ء میں وہ اسلامی علاقہ میں شامل کیا گیا۔

مغربی مورخین جب اس کا ذکر کرتے ہیں تو وہ رومیوں کے تذکرہ کے ذیل میں رومی عہد (Roman times) کا لفظ لکھتے ہیں، اور مسلمانوں کا تذکرہ کرتے ہیں تو اس کے لئے اسلامی حملہ (Islamic invasion) کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ یہ فرق بلاشبہ قابل شکایت ہے۔ مگر بدقسمتی سے مسلمان جب اپنی تاریخ اور دوسروں کی تاریخ پر لکھتے ہیں تو وہ بھی اسی طرح دہرا انداز اختیار کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں کم از کم مسلمانوں کو اس شکایت کا حق نہیں۔

اردن کی آمدنی کا ایک خاص ذریعہ سیاحت ہے۔ اور سیاحوں کے لئے یہاں سب سے زیادہ پرکشش چیز بطرا وغیرہ کے قدیم آثار ہیں۔ یہ آثار جو تاریخی اور اقتصادی دونوں اعتبار سے اتنے قیمتی ہیں، ان کو پہلی بار سوئزرلینڈ کے ایک سیاح برکھارٹ (John Lewis Burckhardt) نے ۱۸۱۲ء میں دریافت کیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے بارہ میں ایک یہودی روایت ہے جس کا تعلق اسی عمان (عمون) سے ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ـــــ داؤد نے بادشاہی محل کی چھت سے ایک عورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی۔ وہ نہایت خوبصورت تھی۔ داؤد نے اس عورت کو اپنے محل میں بلایا اور اس سے صحبت کی۔ اس کے بعد وہ حاملہ ہوگئی۔ اب داؤد نے اس عورت کے شوہر حتی اوریاہ کو عمون کی جنگ میں بھیج دیا اور سردار فوج سے کہا کہ اس کو گھمسان میں سب سے آگے رکھنا اور تم اس کے پاس سے ہٹ جانا تاکہ وہ مارا جائے۔ چنانچہ حتی اوریاہ مارا گیا اور پھر وہ عورت داؤد کی بیوی ہوگئی۔ اس کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ پر اس کام سے جسے داؤد نے کیا تھا خداوند ناراض ہوا (۲۔ سموئیل باب ۱۱) حضرت داؤد کے یہی فرزند ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کہے جاتے ہیں۔

یہ لغو قصہ قرآن (ص ۲۳) کے تحت خود ہماری تفسیروں میں بھی آگیا ہے۔ مفسرین نے اس پر لمبی بحثیں کی ہیں۔ چنانچہ مستشرقین کو موقع مل گیا کہ وہ اس کو قرآن کے ساتھ منسوب کر دیں۔ ایک مستشرق نے لکھا ہے کہ داؤد نے اوریا حتی کو ایک جنگ میں قلعہ کی دیوار تک بھیج دیا تاکہ وہ مارا جائے اور وہ اس کی بیوی سے نکاح کر سکیں۔ یہ واقعہ مسلم کہانیوں کا بھی ایک حصہ ہے :

....the incident is also a part of Muslim folklore (I/317)

عمان کی آبادی تقریباً ۶ لاکھ ہے۔

۴۹ - ۱۹۴۸ میں عربوں اور اسرائیل کے درمیان جو جنگ ہوئی، اس کے بعد فلسطینی پناہ گزیں عمان میں آنے لگے۔ ۱۹۶۷ کی جنگ کے بعد دریائے اردن کے مغرب کا پورا علاقہ اسرائیل کے قبضہ میں چلا گیا۔ اب فلسطینی پناہ گزیں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ عمان جو پہلے ایک چھوٹا سا قصبہ تھا، اب بہت بڑا شہر بن گیا۔

غالباً ۱۹۶۹ کی بات ہے۔ میری ملاقات اردن کے ایک فلسطینی سے ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ اردن میں ہماری طاقت اتنی بڑھ چکی ہے کہ ہم جب چاہیں اردن کی حکومت پر قبضہ کر لیں۔ فلسطینیوں کا یہی ذہن تھا جس کی بنا پر ۱۹۷۰ میں فلسطینیوں اور حکومت اردن کے درمیان باقاعدہ سول وار چھڑ گئی۔ اردن نے نہایت فیاضی کے ساتھ فلسطینیوں کو اپنا مہمان بنایا تھا۔ مگر جب یہ نوبت آئی تو حکومت نے نہایت سختی کے ساتھ ان کو کچل دیا۔ حتی کہ فلسطینی کیمپوں پر بمباری کی گئی۔

ہر آدمی کی ایک حد ہے۔ آدمی اگر اپنی حد پر رہے تو اس کو ہر جگہ کام کے مواقع ملتے ہیں۔ اور اگر وہ اپنی حد سے آگے بڑھ جائے تو اس کو ہر جگہ رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑے گا، خواہ وہ کسی مسلم ملک میں ہو یا غیر مسلم ملک میں۔

عمان سے طرابلس کے لئے اردن ایرلائنز کی فلائٹ نمبر ۱۴۵ کے ذریعہ روانگی ہوئی۔ راستہ میں جہاز کے اندر ایک فلسطینی نوجوان سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے اپنا نام ناصر عبد الفتاح عامر بتایا۔ ان کی عمر تقریباً ۲۱ سال تھی۔ ان کا خاندان غزہ (فلسطین) میں رہتا ہے۔ فلسطین کے بارہ میں انھوں نے بہت سی باتیں بتائیں۔ آخر میں میں نے پوچھا کہ فلسطین کے مستقبل کے بارہ میں آپ کیا امید رکھتے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا: تحریر ارض فلسطین و ان اری بلادی تنعم تحت حکم اسلامی (سرزمین فلسطین کی آزادی، اور یہ کہ میں اپنے ملک کو اسلامی حکومت کے تحت خوش حال ہوتا ہوا دیکھوں)

فلسطین کے مسلمانوں نے موجودہ زمانہ میں اپنا بہت کچھ کھو دیا ہے، مگر انھوں نے اپنا حوصلہ نہیں کھویا۔ اور حوصلہ بلاشبہ کسی قوم کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔

اس جہاز میں اردن ایرلائنز کا انگریزی میگزین رائل ونگ (Royal Wings) کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ اس میں ایک مضمون چھٹی حس (sixth sense) سے متعلق تھا۔ اس میں مختلف نمبر لکھے ہوئے تھے۔ اور ہر نمبر کو دیکھنے سے ایک متعین جواب نکلتا تھا۔ میں نے سرسری طور پر نمبر ۲ کو دیکھا۔ اس نمبر کے تحت حسب ذیل الفاظ لکھے ہوئے ملے:

You are blessed with a remarkable ability.
Your powers are alert and working for you.
Don't be afraid of your "sixth sense" but explore it.

میں اس قسم کی چیزوں میں عقیدہ نہیں رکھتا۔ مگر عجیب بات ہے کہ اس نوعیت کے مجھے کئی عجیب تجربے ہوئے ہیں۔ مثلاً مجھے یاد ہے کہ مدرسہ کی تعلیم کے زمانہ میں وہاں کے کتب خانہ میں مصر کا ایک عربی مجلہ المقتطف آتا تھا جس کو میں دل چسپی سے پڑھا کرتا تھا۔ ایک بار المقتطف میں اسی قسم کا ایک مضمون آیا۔ اس میں ایک طلسماتی لفظ " ابرا کادا بیین کاتن " کو پڑھ کر خاص انداز سے اپنے بارہ میں کوئی جواب معلوم کیا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں میرا امتحان قریب تھا۔ میں نے اسی کے بارہ میں معلوم کیا۔ جواب آیا: ستنجح نجاحاً کبیراً (تم ایک بڑی کامیابی حاصل کروگے) عجیب بات ہے کہ

اس کے بعد امتحان ہوا تو میں پورے درجہ میں اول آیا۔ اس وقت ہمارے درجہ میں غالباً ۲۴ طالب علم تھے۔

اردن ایئرلائنز کا عربی میگزین " الاجنحة " کے نام سے نکلتا ہے۔ اس کے شمارہ آذار ۱۹۹۰ (صفحہ ۵۸) میں ایک عرب خاتون بیانمبیل کا ایک مضمون تھا جس کا عنوان تھا : غرناطة الفردوس المفقود (غرناطہ، فردوس گم شدہ)

موصوفہ سیاح کے طور پر غرناطہ گئیں۔ وہاں انھوں نے عرب عہد کے آثار کو دیکھا۔ وہ لکھتی ہیں کہ غرناطہ میں میں نے عرب تاریخ کو اپنے سامنے پایا اور اپنے ماضی کی عظمت کا مشاہدہ کیا۔ ان چیزوں کو دیکھ کر وہ رو پڑیں۔ وہ وہاں کے ایک ایک پتھر سے پوچھتی رہیں کہ یہاں عرب کی عظمت تھی اور یہیں سے پانچ سو سال پہلے عرب کی ذلت شروع ہوئی (هنا كان المجد العربي وهنا ايضاً بدأ الذل العربي قبل خمس مائة عام)

وہ جذباتی انداز میں لکھتی ہیں کہ عربوں نے یہاں اپنے قلعوں اور محلوں اور مسجدوں کو چھوڑ دیا۔ وہ اس شہر سے عورتوں کی طرح روتے ہوئے نکلے۔ وہ مردوں کی طرح اس کی حفاظت نہ کر سکے (تركوا قلاعهم وقصورهم ومساجدهم. خرجوا من هذه المدينة يبكون مثل النساء - ملكا لم يحافظوا عليه مثل الرجال - وخرجتُ من غرناطة اطأطئ راسي - واسأل نفسي الى متى سيستمر هذا الليل العربي وماذا سيكتب التاريخ عنّا)

عرب خاتون نے اپنے اس تاثراتی جملہ میں غرناطہ کے آخری سلطان کی ماں کے قول کو دہرایا ہے۔ مگر یہ سادہ معنوں میں مرد اور عورت کا مسئلہ نہیں۔ یہ قومی استعداد کا مسئلہ ہے۔ ۱۷۹۹ میں ٹیپو مرد کی جنگ لڑے مگر وہ ہار گئے۔ ۱۹۷۱ میں اندرا گاندھی ایک عورت تھی مگر وہ پاکستان کے مقابلہ میں جیت گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ مرد اور عورت کا معاملہ نہیں، بلکہ قومی استعداد اور حالات کا معاملہ ہے۔ اگر حالات موافقت نہ کر رہے ہوں تو کوئی شخص خواہ کتنی ہی زیادہ بہادری کے ساتھ لڑے، وہ مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

جہاز کا بیشتر سفر خشکی کے اوپر ہوا۔ بالائی فضا میں پرواز کرتا ہوا ہمارا جہاز ہندستانی وقت

کے لحاظ سے پانچ بجے بحر روم کے اوپر پہنچ گیا۔ اس کے سفر کو نہ خشکی کی پستی اور بلندی نے روکا، اور نہ سمندر اس کی راہ میں حائل ہوا۔ وہ شہری آبادیوں کے اوپر سے بھی اسی طرح تیزی سے گزر گیا جس طرح کھلے میدانوں کے اوپر سے۔

بے شمار لوگ روزانہ ہوائی جہاز سے سفر کرتے ہیں۔ مگر مسافروں کے چہرے اور ان کی گفتگوئیں بتاتی ہیں کہ اس قدرتی معجزہ کو سوچ کر کسی کے اندر تموج کی کیفیت پیدا نہیں ہوتی۔ مذہبی انسان ہو یا سیکولر انسان، دونوں قسم کے لوگ ہوائی جہاز کا سفر تو کر رہے ہیں، مگر ہوائی جہاز کے سفر کے دوران ان کا شعور ربانی مسافت طے نہیں کرتا۔ ان کا حال تقریباً اس چوپایہ کا سا ہے جس کو ایک مقام پر جہاز میں بیٹھا یا جائے اور لے جاکر اس کو دوسرے مقام پر اتار دیا جائے۔

اردو کے ایک مرثیہ گو نے قدیم زمانہ میں حضرت حسین اور ان کے خاندان کے لوگوں کے سفر کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہا تھا کہ خدا نے فرشتوں کو حکم دیا کہ زمین کو مختصر کر کے ان کا راستہ آسان بنا دو:

طنابیں کھینچ کر کم کر زمیں کو   کہ ہووے راہ کم ان مہ جبیں کو

آج اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی کے لئے زمین کی طنابیں کھینچ کر سفر کو مختصر بنا دیا ہے۔ مگر قرآن کے مطابق انسانوں میں سب سے کم وہ لوگ ہیں جو قابل شکر باتوں کو شدت کے ساتھ محسوس کریں اور شکر کے جذبات سے سرشار ہو جائیں (سبا ۱۳)

ہوائی جہاز کی سواری آج بہت زیادہ عام ہو چکی ہے۔ اس لئے لوگوں کو اس کے غیر معمولی پن کا احساس نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہوائی جہاز اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے۔ ہوائی جہاز نے آج لمبے سفروں کو ہر آدمی کے لئے ممکن بنا دیا ہے۔ ورنہ قدیم زمانہ میں بہت ہی کم افراد لمبے سفر کا حوصلہ کر سکتے تھے۔

لارڈ کرزن ایک بے حد امیر خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ انیسویں صدی کے آخر میں ہندستان کا بڑے جاہ و جلال کا وائسرائے بنا۔ مگر ۱۸۹۸ء میں جب وہ ہندستان کا وائسرائے ہو کر روانہ ہوا تو لندن سے کلکتہ تک کا سفر طے کرنے میں اس کو سترہ دن لگ گئے۔ اس وقت تک ہوائی جہاز کا سفر رائج نہیں ہوا تھا۔ آج ایک عام آدمی ہوائی جہاز میں بیٹھ کر چند گھنٹوں میں ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم میں پہنچ جاتا ہے۔

۷ مارچ کو میں نے فجر کی نماز دہلی کے ہوائی اڈہ پر پڑھی تھی۔ اسی دن ہیں عصر کی نماز کے وقت طرابلس کے ہوائی اڈہ پر اتر گیا۔ موجودہ زمانہ میں تیز رفتار سواریوں نے سفر کے معاملہ کو کتنا زیادہ آسان بنا دیا ہے۔ ہوائی جہاز اپنے اندر سیکڑوں مسافروں کو بیٹھا کر ہوا میں اڑتا ہے اور خشکی اور پہاڑ اور سمندر کی ہر رکاوٹ کو عبور کرتے ہوئے نہایت تیز رفتاری کے ساتھ لوگوں کو ان کی منزل پر پہنچا دیتا ہے۔ یہ کتنا حیرت ناک واقعہ ہے۔ آج بے شمار لوگ اس سفری سہولت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مگر ان میں شاید ہی کوئی ہو جس کا حال یہ ہو کہ خدا کی اس عظیم نعمت کو سوچ کر اس کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور وہ استعجاب (awe) کے سمندر میں غرق ہو کر کہہ اٹھے: فبأی آلاء ربکما تکذبان۔

فلپائن کے ایک صاحب (احمد نوح) سے ایر پورٹ پر ملاقات ہوئی۔ انھوں نے بتایا کہ فلپائن میں سات ملین مسلمان ہیں۔ مسلمان تعلیمی اعتبار سے بہت پیچھے ہیں۔ حتی کہ ان کے بیان کے مطابق سارے فلپائن میں ایک بھی مسلمانوں کا پریس موجود نہیں۔

فلپائن کے ایک علاقے میں مسلمان آزادی کی تحریک چلا رہے ہیں۔ اس تحریک آزادی کے لیڈر پہلے صرف مسٹر نور میسواری تھے۔ ہاشم سلامات ان کے نائب تھے۔ اب دونوں میں سخت اختلاف ہو گیا ہے۔ دونوں الگ الگ اپنی تحریکیں چلا رہے ہیں۔ احمد نوح صاحب دونوں لیڈروں سے ملے۔ انھوں نے نور میسواری سے کہا کہ اگر آپ نے اپنی سیاست کو نہ بدلا تو انقلاب ناکام ہو جائے گا۔ (ان لم تغیر سیاستک الآن فالثورة ستفشل) مگر دونوں کو متحد کرنے کی کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔

ان کی گفتگو سے میں نے اندازہ کیا کہ فلپائن کے دونوں لیڈر اگرچہ اپنے اختلاف اور علیحدگی کے لئے اصولی الفاظ بولتے ہیں، مگر اصلاً یہ قیادت کا جھگڑا ہے۔ اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ وہی جھگڑا ہے جو ہندستان سمیت تمام ملکوں میں پیش آرہا ہے۔ لوگ اسلام کے نام پر اٹھتے ہیں۔ کام شروع کرتے ہیں۔ مگر جلد ہی بعد ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں۔ اگر ان کی سرگرمیاں حقیقۃً اسلام کے لئے ہوتیں تو اختلاف کے وقت ایک شخص پیچھے ہو جاتا اور پھر اختلاف اپنے آپ ختم ہو جاتا۔ مگر جب اصل مقصد لیڈری ہو اور اسلام کا نام محض نعرہ کے طور پر استعمال کیا جائے تو ہمیشہ ایسا ہی

پیش آتا ہے۔

طرابلس میں میرا قیام فندق المھاری (کمرہ ۱۲۷) میں تھا۔ یہ ہوٹل بحر روم کے کنارے واقع ہے۔ ایک طرف خشکی کے مناظر ہیں، اور دوسری طرف سمندر کی موجیں حد نظر تک متحرک نظر آتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کیسا عجیب احسان ہے۔ انسان کو پانی کی ضرورت تھی۔ پانی کو اگر سطح ارض پر پھیلا دیا جاتا تو انسان کے لئے رہنے کی جگہ باقی نہ رہتی۔ اللہ تعالیٰ نے زمین میں بڑی بڑی گہرائیاں پیدا کیں اور ان میں پانی کو بھر دیا۔ مزید یہ کہ اس پانی میں نمک کا جزء شامل کر دیا تاکہ وہ کبھی خراب نہ ہونے پائے۔ اس سمندر کے بے شمار فائدے ہیں جن کو کسی انسائیکلو پیڈیا میں بھی شمار کرنا ممکن نہیں۔ آدمی اگر اس معاملہ کا احساس کرے تو اس کے سینہ میں وہی تلاطم مزید شدت کے ساتھ پیدا ہو جائے جو سمندر کی سطح پر ہر آن جاری رہتا ہے۔

اس ہوٹل میں ایک خاص بات یہ تھی کہ اس کے عین سامنے سڑک کے دوسری طرف ایک خوبصورت مسجد تھی۔ اذان کی آواز کمرہ تک پہنچتی تھی۔ اور یہ ممکن تھا کہ بآسانی وہاں جا کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کی جا سکے۔ دنیا کے ساتھ دین کا یہ جوڑ اگر مسلمان کی پوری زندگی میں آ جائے تو زندگی ہر اعتبار سے کتنی بہتر ہو جائے۔

سفر کے دوران ایک صاحب سے ملاقات ہوئی۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے موجودہ زمانہ میں جو نئے وسائل انسان کے قبضہ میں دئے ہیں، وہ ابھی تک دین کی اشاعت کے لئے استعمال نہ ہو سکے۔ مثال کے طور پر ہوائی جہاز نے سفر کو کتنا زیادہ تیز رفتار بنا دیا ہے۔ مگر وہ عام طور پر صرف دنیوی اغراض کے لئے استعمال ہو رہا ہے۔

مذکورہ بزرگ نے ایک "عالمی تحفظ نبوت کانفرنس" میں شرکت کی تھی۔ وہ کہنے لگے کہ آپ ایسا کس طرح کہتے ہیں۔ دیکھئے فلاں مقام پر مسلمانوں نے بڑے پیمانہ پر تحفظ نبوت کانفرنس کی۔ اس میں ساری دنیا کے مسلم علماء جمع ہوئے۔ اگر ہوائی جہاز کا استعمال نہ کیا جاتا تو اتنی وسیع انداز کی عالمی کانفرنس منعقد کرنا ممکن نہ ہوتا۔

میں نے کہا کہ "تحفظ نبوت کانفرنس" کو میں کوئی اسلامی کام نہیں سمجھتا۔ اس پر وہ حیرت میں پڑ گئے۔ میں نے کہا کہ اس دین کی حفاظت کی ذمہ داری تو خود خدا نے لے لی ہے۔ اس دین کو لانے

والے پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے ابدی طور پر مقام تعریف (مقام محمود) پر کھڑا کر دیا ہے۔ اس کی حفاظت آپ کیا کریں گے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام آپ کے تحفظ سے مستغنی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ "تحفظ نبوت کانفرنس" کرنا اتنا ہی بے معنی ہے جتنا "تحفظ آفتاب کانفرنس" کرنا۔ پیغمبر اسلام کو اس کی ضرورت نہیں کہ مسلمان ان کا تحفظ کریں۔ پیغمبر اسلام کے امتی ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کو صرف یہ کرنا ہے کہ وہ آپ کی تعلیمات کو دوسروں تک پہنچائیں (بلغوا عنی ولو آیۃ) آج مسلمانوں کی ذمہ داری اشاعت نبوت ہے نہ کہ تحفظ نبوت۔ مگر موجودہ مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ جو کرنا ہے اس کو کرتے نہیں، اور جو نہیں کرنا ہے اس کے لیے دوڑتے ہیں۔

اس سفر میں بہت سے لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ ایک عرب نوجوان نے ۱۸ مارچ کی ملاقات میں بڑی عجیب بات بتائی۔ انھوں نے راقم الحروف کی عربی کتابیں پڑھی ہیں اور الرسالہ مشن سے واقف ہیں۔ تاہم وہ میرے احوال اور میری مشکلات سے مکمل طور پر ناواقف تھے۔ انھیں کچھ بھی معلوم نہ تھا کہ میرے خلاف لوگوں نے مخالفت کا طوفان برپا کر رکھا ہے۔ حتی کہ مجھے "اہانت امت" کی سزا دینے کا فتویٰ دیا جا رہا ہے۔

مذکورہ عرب نوجوان نے بتایا کہ فروری ۱۹۹۰ میں انھوں نے ایک خواب دیکھا۔ انھوں نے دیکھا کہ وہ میرے ساتھ ایک مکان میں ہیں۔ ہم لوگ سخت خطرے میں گھرے ہوئے ہیں اور بے حد پریشان ہیں۔ اس دوران مذکورہ عرب نوجوان گھر سے باہر نکلے تاکہ حالات کا اندازہ کریں۔ اتنے میں انھوں نے دیکھا کہ سامنے کی سڑک سے حضرت عمر فاروق گزر رہے ہیں۔ وہ خاموشی سے چلتے ہوئے آگے نکل گئے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق وہاں سے گزرے۔ وہ وہاں ٹھہر گئے اور مذکورہ عرب نوجوان سے کہا:

قل لوحید الدین و اصحابه، اخرجوا و لا تخافوا، انتم فی حمایة الله

ایک اور عرب جنھوں نے اپنا نام العیساوی بتایا۔ انھوں نے کہا کہ میں نے آپ کی اکثر عربی مطبوعات پڑھی ہیں۔ میں نے کہا کہ ہمارے مشن کا خلاصہ آپ نے کیا سمجھا ہے۔ انھوں نے کہا: هٰذه الرسالة تقدم الهدف الاساسی للانسان۔ نحن مخلوقون للآخرة، و الامور الاخری تخضع للاحوال والظروف۔ میں نے پوچھا کہ آپ نے خود اس سے کیا تاثر لیا۔ ان کا جواب یہ تھا: حولتنی من مسلم مادی الی مسلم صرف۔ یعنی اس نے مجھے مادی سوچ والے مسلمان سے

بدل کر خالص مسلمان بنا دیا۔

کئی عربوں نے میرے بارہ میں اور اسلامی مرکز کے مشن کے بارہ میں اپنے خواب بتائے جو نہایت عجیب اور بظاہر ناقابل قیاس تھے۔ مثلاً ایک عرب نوجوان نے کہا کہ میں نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ خواب میں آپ مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ میرے پاس عربی لباس نہیں۔ اس پر عرب نوجوان نے کہا کہ میرے پاس دو عربی لباس ہیں۔ ان میں سے ایک میں آپ کو دے دیتا ہوں۔

ایک اور عرب نے بتایا کہ خواب میں ان سے میری ملاقات ہوئی۔ اس وقت میں نے ان سے جو گفتگو کی وہ انگریزی زبان میں تھی۔ میں نے انگریزی داں قوموں میں اسلام کی اشاعت کی ضرورت پر زور دیا۔ وغیرہ۔

پاکستان کے ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو الرسالہ پابندی کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ آپ فکری تطہیر کا کام تو بہت اچھا کر رہے ہیں، مگر عملی انقلاب کے لئے ابھی تک آپ نے کوئی پروگرام شروع نہیں کیا۔

میں نے کہا کہ "عملی انقلاب" نتیجہ کا نام ہے نہ کہ کوشش کا۔ میں نے کہا کہ ہر انقلاب در اصل حالات کے انفجار کا نام ہے۔ مثلاً ایران کا انقلاب اینٹی شاہ جذبات کے ابل پڑنے کا نام تھا۔ وہ تمام واقعات جن کو انقلاب کہا جاتا ہے، ان کی صورت یہی تھی کہ رائج الوقت نظام کے خلاف ناراضی پیدا ہوئی۔ یہ ناراضی اندر اندر پکتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ تخریبی لاوا کی صورت میں ابل پڑی۔

تمام انقلابات تخریبی لاوا کے ابل پڑنے کے نتیجہ میں ظہور میں آئے ہیں۔ تاریخ میں ایک ہی انقلاب اس سے مستثنیٰ ہے، اور وہ پیغمبر اسلام کا انقلاب ہے۔ پیغمبر اسلام کا لایا ہوا انقلاب بھی ایک لاوا کے پھٹنے سے ظہور میں آیا۔ مگر یہ تعمیری لاوا تھا، نہ کہ دوسرے انقلابات کی طرح تخریبی لاوا۔

پیغمبر اسلام کے انداز کا انقلاب لانے کے لئے تعمیری لاوا تیار کرنا ہوتا ہے۔ اور یہ صرف تعمیر شعور کے ذریعہ انجام پاتا ہے۔ الرسالہ مشن اس وقت یہی کام کر رہا ہے۔ یہ مشن گویا ایک تعمیری لاوا پکا رہا ہے۔ جس دن یہ لاوا پک کر تیار ہو گا وہ اپنے آپ پھٹ پڑے گا۔ مگر اس کا پھٹنا خاموش تعمیری انقلاب کی صورت میں ہوگا نہ کہ پرشور تخریب کاری کی صورت میں جس کے نمونے آج جگہ جگہ نظر آرہے ہیں۔ (باقی)

۱۔ فروری ۱۹۹۰ کے تیسرے ہفتہ میں کتابوں کی نویں بین اقوامی نمائش (ورلڈ بک فیر) نئی دہلی کے پرگتی میدان میں ہوئی۔ ۱۹۷۲ میں اس قسم کی پہلی نمائش ہوئی تھی۔ اس کے بعد سے ہر دو سال بعد ہوتی ہے۔ پہلی نمائش میں ۲۷۰ کتابی اداروں نے شرکت کی تھی، اس بار مختلف ملکوں کے ۶۰۰ سے زائد اداروں نے اس میں شرکت کی۔ اس موقع پر اسلامی مرکز کا اسٹال بھی رکھا گیا۔ بہت سے لوگوں نے کتابیں دیکھیں اور حاصل کرکے لے گئے۔

۲۔ ہندستان کے صنعتی شہر مرادآباد سے ایک پندرہ روزہ اخبار "جانکاری" کے نام سے جاری ہوا ہے۔ یہ بیک وقت اردو اور ہندی میں شائع ہوتا ہے۔ جانکاری میں الرسالہ کے مضامین اور تذکیر القرآن کے حصے مستقل شائع کئے جا رہے ہیں۔ اس طرح الرسالہ کی دعوت ایک نئے عوامی حلقہ میں پہنچ رہی ہے۔ یہ اخبار یکم جنوری ۱۹۹۰ سے چھپنا شروع ہوا ہے۔

۳۔ جرمنی کی ایک خاتون پروفیسر ڈگمار برنشٹراف ۱۶ فروری ۱۹۹۰ کو اسلامی مرکز میں آئیں :

Dr Dagmar Bernstorff, Executive Director,
Center for the Study of Indian Politics and Society,
Heidelberg, West Germany.

وہ ہندستانی مسلمانوں کے بارہ میں ایک پیپر تیار کر رہی ہیں۔ اس سلسلہ میں انھوں نے صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا جو تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہا۔ آخر میں انھیں مرکز کی کچھ انگریزی مطبوعات برائے مطالعہ دی گئیں۔ صدر اسلامی مرکز نے خاص طور پر اس پہلو پر زور دیا کہ ہندستانی مسلمانوں کا اصل مسئلہ ان کی تعلیمی پسماندگی اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی بےشعوری ہے۔ اسی بےشعوری کا ایک نقصان یہ ہے کہ موجودہ مسلم قوم اپنے استحصال پسند لیڈروں کی شکارگاہ بن کر رہ گئی ہے۔

۴۔ مہاراشٹر یونیورسٹی ٹیکسٹ بک پروڈکشن بورڈ کے تحت امراوتی یونیورسٹی نے "انتخاب اردو" کے نام سے ایک سلسلۂ کتب شائع کیا ہے۔ اس کا تیسرا حصہ بی اے کے طلبہ کے نصاب میں داخل ہے۔ یہ کتاب (انتخاب اردو، حصہ سوم) ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں صدر اسلامی مرکز

کا پانچ صفحات کا ایک مضمون شامل کیا گیا ہے۔ اس مضمون کا عنوان ہے: ایٹمی ہلاکت۔

۵۔ مولانا محمد یوسف ندوی نے بتایا کہ بھوپال میں ۲۳۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۸۹ کو تبلیغی جماعت کا سالانہ اجتماع تھا۔ اجتماع کے پہلے دن انھوں نے دیکھا کہ سڑک کے کنارے ایک آدمی کتابیں پھیلائے ہوئے بیٹھے ہیں۔ قریب جاکر دیکھا تو دسمبر اور جنوری کا الرسالہ تقریباً دو سو تھا۔ اس کے علاوہ الرسالہ کی کچھ مطبوعات بھی تھیں۔ پوچھا کہ آپ کون ہیں۔ انھوں نے کہا کہ میں تو الرسالہ کا دیوانہ ہوں۔ اس آواز کو تمام انسانوں تک پہنچانا ہی میرا مشن ہے۔ ان کے تمام رسالے اور کتابیں پہلے دو دن کے اندر ختم ہو گئیں۔ یہ پربھنی کے جناب عبد اللہ صاحب تھے۔

۶۔ ۱۰ فروری ۱۹۹۰ کو گول مارکٹ (نئی دہلی) میں ایک اجتماع ہوا۔ اس میں صدر اسلامی مرکز کی ایک تقریر ہوئی۔ اس کا موضوع "مسلمانان ہند کے موجودہ مسائل اور ان کا قرآنی حل" تھا۔ تقریر سوا گھنٹہ کی تھی۔ اس کا کیسٹ مرکز میں محفوظ ہے۔

۷۔ ۸ فروری ۱۹۹۰ کو آصف علی روڈ پر ایک مشترکہ اجتماع تھا۔ اس موقع پر صدر اسلامی مرکز نے ایک تقریر کی۔ اس تقریر میں خصوصیت سے اس بات پر زور دیا گیا کہ اس وقت ملک میں سب سے زیادہ ضروری کام ہندو مسلم منافرت کو ختم کرنا ہے۔ اس کام کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہندو ہندوؤں کو سمجھائیں اور مسلمان مسلمانوں کو نصیحت کریں۔ مسلمانوں کا ہندوؤں کو نصیحت کرنا اور ہندوؤں کا مسلمانوں کو نصیحت کرنا مفید نہیں ہو سکتا۔

۸۔ جناب حکیم الدین صاحب نے بتایا کہ انھوں نے ضلع اعظم گڈھ کے مختلف مدرسوں اور کتب خانوں میں جاکر اس کے ذمہ داروں سے ملاقات کی اور اسلامی مرکز کی مطبوعات انھیں دکھائیں۔ لوگوں نے پسند کیا اور کافی مقدار میں کتابوں کی فرمائش کی۔ چنانچہ وہ مکتبہ الرسالہ سے کتابیں حاصل کرکے انھیں سپلائی کر رہے ہیں۔ اس نوعیت کا کام دوسرے مقامات پر بھی کیا جا سکتا ہے۔

۹۔ کئی کتابوں کے عربی ترجمے تیار ہو کر طباعت کی منزل میں ہیں۔ ان میں "دین کامل" بھی شامل ہے۔ تذکیر القرآن کا عربی ترجمہ کیا جارہا ہے۔ تقریباً سورہ البقرہ تک ترجمہ ہو گیا ہے۔ انشاء اللہ دونوں جلدوں کا مکمل عربی ترجمہ تیار کیا جائے گا۔

۱۰۔ متعدد مقامات کے تبلیغی حضرات نے بتایا کہ ان کے یہاں کے تعلیم یافتہ افراد تبلیغ میں نہیں نکلتے

تھے اور تبلیغ کی اہمیت کو نہیں سمجھتے تھے۔ ایسے لوگوں کو الرسالہ پڑھایا گیا۔ اس کے بعد وہ لوگ تبلیغ میں نکلے اور اس میں شامل ہو کر کام کرنے لگے۔ ان تبلیغی حضرات نے کہا کہ الرسالہ ہمارے لئے ایک تبلیغی ہتھیار ہے۔

۱۱۔ غازی آباد سے ایک پندرہ روزہ اخبار "اودھ اخبار" کے نام سے شائع ہوتا ہے۔ وہ اپنی ہر اشاعت میں الرسالہ کے مضامین اہتمام کے ساتھ شائع کرتا ہے۔ اس طرح ایک نئے حلقہ میں الرسالہ کی دعوت مسلسل پہنچ رہی ہے۔

۱۲۔ عربی مدارس میں الرسالہ بہت مقبول ہو رہا ہے۔ مثلاً ایک عربی مدرسہ کے طلبہ لکھتے ہیں: ہم طلبہ اس رسالہ کو بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں اور بڑی دل چسپی سے مطالعہ کرتے ہیں اور یہ ہمارے لیے بے حد مفید اور کارآمد ہے اس پرچہ کی رسائی ہوتے ہی ہم طلبہ ہاتھوں ہاتھ لے لیتے ہیں۔ کیونکہ اس کے تمام مضامین شستہ اور معیاری ہوتے ہیں

۱۳۔ جناب کلیم الدین صاحب حیدر آبادی الرسالہ مشن سے خصوصی دل چسپی رکھتے ہیں۔ آج کل وہ نیویارک میں مقیم ہیں۔ انھوں نے مطلع کیا ہے کہ وہ وہاں الرسالہ انگریزی اور الرسالہ کی انگریزی مطبوعات کے ذریعہ دعوتی کام کر رہے ہیں۔ الرسالہ کیسٹ بھی لوگوں تک پہنچا رہے ہیں۔

۱۴۔ الرسالہ کے مطالعہ سے بہت سے نوجوانوں میں یہ جذبہ پیدا ہوا ہے کہ برادران وطن تک اسلام کا پیغام پہنچائیں۔ انھیں میں سے ایک سید عبد اللطیف صاحب (حیدرآباد) اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دعوتی کام کر رہے ہیں اور مختلف طریقوں سے غیر مسلمین تک دعوت پہنچا رہے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ اس سلسلہ میں الرسالہ خصوصی طور پر ان کے لئے مددگار ثابت ہو رہا ہے۔

۱۵۔ الرسالہ اور مطبوعات الرسالہ کا ایک خاص فائدہ یہ ہے کہ لوگوں کو اس میں ایسے نئے دلائل اور نئی مثالیں ملتی ہیں جن کو وہ اپنی تقریروں میں پیش کریں۔ مثلاً شیخ محمد اقبال (کراچی) لکھتے ہیں کہ وہ الرسالہ کے مستقل قاری ہیں، اس کے علاوہ کتابوں کا مطالعہ بھی کرتے رہتے ہیں۔ وہ اپنی تقریروں میں ان کی باتوں کو لے کر بیان کرتے ہیں، لوگ بہت دل چسپی سے سنتے ہیں اور اثر قبول کرتے ہیں۔

ایجنسی الرسالہ

ماہنامہ الرسالہ بیک وقت اردو اور انگریزی زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔ اردو الرسالہ کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ اور انگریزی الرسالہ کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو عام انسانوں تک پہونچایا جائے۔ الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضا ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی ایجنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہونچائیں۔ ایجنسی گویا الرسالہ کے متوقع قارئین تک اس کو مسلسل پہونچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔

الرسالہ (اردو) کی ایجنسی لینا ملت کی ذہنی تعمیر میں حصہ لینا ہے جو آج ملت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (انگریزی) کی ایجنسی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کارِ نبوت ہے اور ملت کے اوپر خدا کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔

ایجنسی کی صورتیں

۱۔ الرسالہ (اردو یا انگریزی) کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمے ہوتے ہیں۔ ۱۰۰ پرچوں سے زیادہ تعداد پر کمیشن ۳۳ فی صد ہے۔

۲۔ زیادہ تعداد والی ایجنسیوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کیے جاتے ہیں۔

۳۔ کم تعداد کی ایجنسی کے لیے ادائگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرچے ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں، اور صاحبِ ایجنسی ہر ماہ اس کی رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ کر دے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ماہ (مثلاً تین مہینے) تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینہ میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔

۴۔ صاحب استطاعت افراد کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ ایک سال یا چھ ماہ کی مجموعی رقم پیشگی روانہ کر دیں اور الرسالہ کی مطلوبہ تعداد ہر ماہ ان کو سادہ ڈاک سے یا رجسٹری سے بھیجی جاتی رہے۔ ختم مدت پر وہ دوبارہ اسی طرح پیشگی رقم بھیج دیں۔

۵۔ ہر ایجنسی کا ایک حوالہ نمبر ہوتا ہے۔ خط و کتابت یا منی آرڈر کی روانگی کے وقت یہ نمبر ضرور درج کیا جائے۔

زرتعاون الرسالہ

قیمت فی شمارہ	۵ روپیہ
زرتعاون سالانہ	۶۰ روپیہ
خصوصی تعاون سالانہ	۳۰۰ روپیہ
بیرونی ممالک کے لیے	
ہوائی ڈاک (سالانہ)	۲۵ ڈالر امریکی
بحری ڈاک (سالانہ)	۱۵ ڈالر امریکی
خصوصی تعاون سالانہ	۱۰۰ ڈالر امریکی

ڈاکٹر ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلیشر مسئول نے نائس پرنٹنگ پریس دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ سی۔ ۲۹ نظام الدین ویسٹ نئی دہلی سے شائع کیا

ISLAM

In Contemporary Language

AL-RISALA monthly has a two-fold aim: first, to introduce Islam as a divine message; second, to promote positive and constructive thinking among the people. It is published in Urdu and English by the Islamic Centre, New Delhi.

To receive your copies of this thought-provoking magazine regularly, subscribe NOW.



Ask for a free sample copy.

Please send AL-RISALA to me/my friend/relative at the following address:

Name: ______________________

Address: ______________________

____

____

____

Please send a free sample copy of AL-RISALA at the following address:

____

____

____

(Please use a separate sheet for more than one address)

☐ Please send a publications catalogue

Please tick box where applicable

☐ Urdu ☐ 1 year ☐ 3 years
☐ English ☐ 2 years ☐ 5 years
☐ Air-mail ☐ Surface-mail

I am enclosing Cheques/Bank Draft/Postal Order/M.O. Receipt No. ________

Subscription Rates

	ABROAD	
INLAND	AIRMAIL	SURFACE MAIL
1 year Rs 60	Rs 400/$25/£15	Rs 200/$15/£8
2 years Rs 110	Rs 700/$45/£25	Rs 350/$25/£15
3 years Rs 150	Rs 1000/$65/£40	Rs 500/$35/£20
5 years Rs 240	Rs 1500/$100/£60	Rs 750/$55/£30

Pakistan Rs 150 for one year

Supporting Subscription (For One Year)

INLAND .... Rs 300
ABROAD (By Air-mail) .... $100/£60

Please send this together with the payment to the Circulation Manager.
AL-RISALA, The Islamic Centre, C-29 Nizamuddin West, New Delhi 110 013 (India)

RNI 28822/76 □ June 1990 No 163 □ Rs. 5

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر

مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

تذکیر القرآن جلد اول	Rs 150/-
" " جلد دوم	150/-
اللہ اکبر	40/-
پیغمبر انقلاب	35/-
مذہب اور جدید چیلنج	40/-
عظمت قرآن	25/-
دین کامل	45/-
الاسلام	35/-
ظہور اسلام	35/-
اسلامی زندگی	25/-
احیاء اسلام	20/-
راز حیات (مجلد)	55/-
صراط مستقیم	35/-
خاتون اسلام	40/-
سوشلزم اور اسلام	35/-
اسلام اور عصر حاضر	25/-
حقیقت حج	30/-
اسلامی تعلیمات	25/-
اسلام دور جدید کا خالق	20/-
رشدیات	
تعمیر کی طرف	8/-
راہ عمل	
تبلیغی تحریک	20/-
میوات کا سفر	30/-
اقوال حکمت	20/-
تعبیر کی غلطی	45/-

دین کی سیاسی تعبیر	15/-
دین کیا ہے	4/-
قرآن کا مطلوب انسان	10/-
تجدید دین	
اسلام دین فطرت	5/-
تعمیر ملت	5/-
تاریخ کا سبق	5/-
مذہب اور سائنس	
عقلیات اسلام	
فسادات کا مسئلہ	4/-
انسان اپنے آپ کو پہچان	4/-
تعارف اسلام	4/-
اسلام پندرھویں صدی میں	4/-
راہیں بند نہیں	5/-
ایمانی طاقت	5/-
اتحاد ملت	5/-
سبق آموز واقعات	5/-
زلزلۂ قیامت	7/-
حقیقت کی تلاش	5/-
پیغمبر اسلام	4/-
آخری سفر	5/-
اسلامی دعوت	5/-
خدا اور انسان	5/-
حل یہاں ہے	8/-
سچا راستہ	4/-
دینی تعلیم	5/-

حیات طیبہ	5/-
باغ جنت	5/-
نار جہنم	5/-

الرسالہ کیسٹ

نمبر۱ ایمان	25/-
نمبر۲ جدید امکانات	25/-
نمبر۳ اسلامی اخلاق	25/-
نمبر۴ اتحاد	25/-
نمبر۵ تعمیر ملت	25/-
نمبر۶ سنت رسول	25/-
نمبر۷ میدان عمل	25/-
نمبر۸ پیغمبرانہ رہنمائی	25/-
الرسالہ مجلد فی جلد	75/-

God Arises	Rs 60/-
Muhammad The Prophet of Revolution	65/-
Religion and Science	30/-
Tabligh Movement	20/-
The Way to Find God	5/-
The Teachings of Islam	6/-
The Good Life	6/-
The Garden of Paradise	6/-
The Fire of Hell	6/-
Muhammad The Ideal Character	5/-
Man Know Thyself!	5/-

مکتبہ الرسالہ سی ۲۹ نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳

Delhi Postal Regd No [illegible] U(SE) 12/86